امت کا بحران

تفکیر، تدبیر اور تعمیل

اسرار عالم

دار العلم، نئی دہلی

مصنف کی تصانیف

- ★ اسلام اور اکیسویں صدی کا چیلنج
- ★ عالم اسلام کی سیاسی صورتِ حال
- ★ بین الاقوامی ایجنسیوں کا تعارف اور ان کا طریقۂ کار
- ★ عالم اسلام کی اقتصادی صورتِ حال
- ★ عالم اسلام کی روحانی صورتِ حال
- ★ ہندتو
- ★ عالم اسلام کی اخلاقی صورتِ حال
- ★ یاساری الجبل! کیا دجّال کی آمد آمد ہے؟
- ★ عالم اسلام کی منصبی ومقصدی صورتِ حال

□ ماکان و مایکون

- ★ دجّال: جلد اوّل
- ★ دجّال: جلد دوم
- ★ دجّال: جلد سوم
- ★ فتنۂ دجّالِ اکبر: خطرات وتدابیر
- ★ معرکۂ دجّالِ اکبر: تفکیر، تدبیر اور تعمیل جلد اوّل

فہرست

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حامداً و مصلیاً!

نبی آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کی امت بنی نوع انسان میں وہ آخری امت ہے جو منصب شہادت پر فائز کی گئی ہے۔ چنانچہ پوری انسانیت کی کامیابی کا انحصار اب اسی گروہ پر ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی تک آتے آتے واضح طور پر محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ امت تاریخ انسانی کے اس مرحلے میں داخل ہو چکی ہے جس کی خبر دیتے ہوئے آنحضور ﷺ نے فرمایا تھا:

"عنقریب قومیں تم پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوا دیں گی جیسے بھوکے (جانور) کھانے پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بلاوا دیتے ہیں" (ابو داؤد و بیھقی)

اس اندوہناک صورت حال سے زیادہ کرب کی بات یہ ہے کہ امت مسلمہ — جو دنیا کی وہ واحد گروہ ہے جسے ماضی، حال اور مستقبل کا کافی علم (ما کان وما ھو کائن) دیا گیا — آج حیران اور ناواقف راہ بھٹک رہی ہے اور دنیا کی تاریکیوں سے روشنی کی بھیک مانگ رہی ہے۔ چودہ صدیوں بعد اب آثار قیامت کے ظاہر ہونے کی رفتار تیز ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے گویا کوئی ہار ٹوٹ جائے اور یکے بعد دیگرے دانے گرنے لگیں۔

ان حالات کا تقاضا تھا کہ قرآن، سنت اور قول رسول ﷺ کی روشنی میں امت کی صورت حال کا گہرائی سے جائزہ لیا جاتا، موجودہ حالات کی تبدیلی کو صحیح زاویہ سے دیکھا جاتا اور آئندہ کے لئے خطوط کار کی نشاندہی کی جاتی تاکہ یہ امت اپنے فرض منصبی کو کما حقہ سرانجام دے کر پوری انسانیت کو کامیابی سے ہمکنار کرے۔ چنانچہ انہیں امور کو پیش نظر رکھ کر یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے جس میں مختلف عناوین کے تحت بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس میں برکت عطا فرمائے۔

انه سمیع قریب مجیب

آسرار عالم

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص ہے کہ یہ عاجز ''امت کا بحران: تفکیر، تدبیر اور تعمیل'' امت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

صورتِ حال کی نزاکت بڑھتی جارہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ امت کی ذمہ داریاں بھی۔ صورتِ حال کی نزاکت اس کی متقاضی ہے کہ اس کتاب کے محتویات سے امت کا ہر خاص و عام زیادہ سے زیادہ اور جلد از جلد واقف ہو جائے۔ لہذا امید ہے کہ قارئین اور بالخصوص اہلِ ہمم حسبِ استطاعت اسے عام کرنے کی سعی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس میں برکت عطا فرمائے۔

واللہ المستعان و علیہ التکلان

اَسرار عالم

تمہید

(ا) نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ اور روئے ارض پر 'اُمتِ وَسَط' کی حیثیت سے امت مسلمہ محمدیہ کو برپا ہوئے آج کم وبیش پندرہ سو سال گزر چکے ہیں۔ امت مسلمہ محمدیہ آج شدید بحران کا شکار ہے۔ واقعات کا تجزیہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جاری معرکۂ خیر وشر میں فتح مکہ کے بعد ایک حیران کن اور نیا موڑ آنے سے اس بحران کی ابتداء ہوئی۔ معرکۂ خیر وشر جاری ہے اور آج وہ بحران ارتقاء پذیر ہوتے ہوتے سنگین شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس پیچیدہ تناظر میں یہ تصنیف درج ذیل نکات کو واضح کرنے کے لئے پیش کی جا رہی ہے۔

(۱) اسلام ـــــ دین اللہ ـــــ کے ربانی اہداف اور مقاصد امت میں معروف ومشہور اہداف اور مقاصد سے زیادہ وسیع الاطراف، زیادہ گہرے اور زیادہ بنیادی ہیں۔

(۲) امت مسلمہ محمدیہ میں پائے جانے والے بحران کے اسباب اس سے متعلق معروف، مشہور اور عام طور پر سمجھے جانے والے اسباب سے زیادہ پرانے اور زیادہ گہرے ہیں۔

(۳) امت مسلمہ محمدیہ میں پائی جانے والی ثنویت (Dualism) اور دوہرا پن (Dichotomy) زیادہ قدیم، زیادہ وسیع الاطراف، زیادہ گہرے اور زیادہ الجھے ہوئے ہیں۔

(۴) چنانچہ اسلام ـــــ دین اللہ ـــــ کے ان ربانی اہداف اور مقاصد تک پہنچنے، امت

http://www.asraralam.net/

[illegible] بحران کو حل کرنے [illegible] پائی جانے والی ثنویت اور دوہرے

پن کو ختم کرنے کے لئے زیادہ گہری، بنیادی اور انقلابی تفکیر، تدبیر اور تعمیل کی ضرورت ہے۔

(۵) اسلام ـــــ دین اللہ ـــــ اور امت مسلمہ محمدیہ کو درپیش چیلنج زیادہ گہرا، بنیادی، وسیع الاطراف اور آفاقی بلکہ کائناتی اور تکوینی ہے۔

(۶) 661 عیسوی سے آج (2006) تک کے عرصے میں امت مسلمہ محمدیہ میں قوی سے قوی تر ہوتے ہوئے بحران کو حل کرنے اور امت مسلمہ محمدیہ کو درپیش آفاقی چیلنج کا سامنا کرنے کی غرض سے تیار کرنے کے لئے تفکیر، تدبیر اور تعمیل کے اب تک کئے جانے والے متعدد مساعی مخلصانہ ہونے کے باوجود اس عاجز کے علم کی حد تک اکثر سطحی، عاجلانہ، مؤقتی، جذباتی، ناقص اور ناکافی رہے ہیں۔

(۷) امت مسلمہ محمدیہ میں اب انتہائی عروج پر پہنچ جانے والا بحران سنگین تر صورت اختیار کر چکا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس بحران کی ابتداء اس وقت ہوئی جب فتح مکہ کے بعد معرکۂ دجال اکبر میں ایک عدیم النظیر، حیران کن اور نیا موڑ آ گیا۔

بحران کا خارجی محور

(۱) آج (2006 عیسوی) امت مسلمہ کی صورتِ حال بحیثیت مجموعی بے حد سنگین ہو چکی ہے۔

(۲) آثار و حوادث اسی بات کا پتہ دے رہے ہیں کہ معرکۂ دجالِ اکبر کے سلسلہ کی اگلی آویزش کا آغاز بس اب کسی لمحے ہوا ہی چاہتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ مرحلہ بالآخر ظہورِ دجالِ اکبر پر جا کر منتج ہوگا۔

(۳) ماحول اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ امت روئے ارض پر شش جہات میں صف آراء ابلیسی دجالی قوتوں سے گھر چکی ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں: معرکۂ دجالِ اکبر جلد۔ دوم: کوکبی مقتدرہ: صفحات 68۔58)

(۴) اسی طرح یہ بات واضح تر ہوتی جا رہی ہے کہ امت بحیثیت مجموعی فیصلہ کن مخمصوں میں بری طرح گرفتار ہو چکی ہے۔ فیصلہ کن مخمصوں کے ذیل میں واقع ہونے والے تینوں مخمصوں ـــــ میثاقی، عملی اور منصبی مخمصوں ـــــ نے امت کو بری طرح جکڑ لیا ہے جن میں سب سے خطرناک منصبی مخمصہ ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں: معرکۂ دجالِ اکبر جلد۔ دوم: مجرمانہ غفلت: صفحات 52-44)

(۵) ادھر گزشتہ دو صدی (2006-1806) کے دوران رونما ہونے والے متعدد واقعات، حوادث، بیانات اور دعوے بھی امت کی اس نازک تر ہو جانے والی صورتِ حال کی بھرپور عکاسی کرتے رہے ہیں۔

چنانچہ پوری امت اب (2006) متحیّر انہ ہو کر اس صورتِ حال کو ٹک ٹک دیکھ رہی ہے۔

(۶) روئے ارض پر آدم و حوا کی آباد کاری کے بعد نبوت و رسالت کی تاریخ میں اللہ، ان کے انبیاء

ورسول اللہ، دین اللہ اور امت مسلمہ کے دو حقیقی دشمن ہوا کرتے رہے ہیں اور ان کو ان دو محاذوں پر مسلسل چیلنج کا سامنا ہوتا رہا ہے۔ یہ دو دشمن اور ان کے محاذ درج ذیل ہیں:

(۱) خارجی محاذ: خارجی محاذ پر ابلیس، دجالِ اکبر، شیاطین اور منکرین حق صف آراء ہوتے ہیں۔

(۲) داخلی محاذ: داخلی محاذ پر مذہبی حکمراں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ صف آراء ہوتے ہیں۔

یہی صورت حال امت مسلمہ محمدیہ کی بھی ہے۔ خارجی محاذ پر ابلیس، دجالِ اکبر، شیاطین اور منکرین حق صف آراء ہیں اور داخلی محاذ پر مذہبی حکمراں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ۔ یہاں بھی اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دین اللہ اور امت مسلمہ کو ان دو محاذوں پر چیلنج کا سامنا رہا ہے۔ امت مسلمہ میں مذہبی حکمراں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ سے مراد وہ حکمراں، علماء اور مشائخ ہیں جو بطور خاص 661 عیسوی کے بعد نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم کردہ دین اور نظام ـــــ الحکم ـــــ کو عملاً ڈھا کر ملوکیت سیاست اور ملوکیت مذہب کے قائدین بن گئے۔ یہ حکمراں مذہبی حکمراں ہیں دینی نہیں۔ یہ علماء مذہبی علماء ہیں دینی نہیں اور یہ مشائخ مذہبی مشائخ ہیں دینی نہیں۔

(۷) بحران کی انتہائی سنگینی کا اندازہ ان دعوؤں سے کیا جا سکتا ہے جو گزشتہ دو صدی (1806-2006) کے دوران خارجی محاذ پر ابلیس، دجالِ اکبر، شیاطین اور منکرین حق کی جانب سے اللہ، رسول اللہ، دین اللہ اور امت مسلمہ کے تعلق سے کیے گئے۔ یہ دعوے درج ذیل ہیں:

(۱) مسلمانوں کے نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت، شخص اور وجود کا نام نہیں۔ ان کیفیات سے متصف کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ 'محمدؐ' ایک تصوراتی کردار کا نام بلکہ لقب ہے جسے بعض ذہین اور طباع لوگوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے گھڑ لیا ہے۔

(۲) قرآن اللہ کا کلام یعنی وحی نہیں۔ اس نام سے معروف کتاب کسی ایک یا ایک سے زائد ذہین اور فطین اشخاص یا مذکورہ شخص محمد کی مرتب کی ہوئی ہے۔

(۳) موجودہ قرآن محفوظ اور غیر محرف نہیں۔

(۴) اسلام کسی آسمانی اور ربانی اِلقاء کا نتیجہ نہیں اور وہ کوئی آسمانی دین نہیں ہے بلکہ خطۂ عرب کی مخصوص سیاسی، معاشرتی اور معاشی صورت حال اور تناظر میں ایک ذہین اور صاحب عزم شخص (محمد) کے عزائم اور ان کے نتیجے میں قائم ہونے والی تبدیلیوں کا نام ہے۔

(۵) [illegible] عہد وسطی کی سماجی کشمکش کا نتیجہ ہے اور اب وہ از کار رفتہ ہو چکا ہے۔

(۶) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب مجموعۂ احادیث کی اس کے سوا کوئی حقیقت نہیں کہ انہیں کم از کم سو سالوں کے بعد آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں کسی نے وجود بخشا۔

(۷) اسلام چونکہ ربانی وحی کا نتیجہ نہیں اس لئے اس کی تاریخ بھی تضادات سے پُر اور اس کے نظام کی طرح بے جہت ہے اور اس میں ضرورت ومصالح (Convenience) کی اور وہ بھی صرف صاحب قوت کی ـــــ کارفرمائی پائی جاتی ہے۔

(ان امور کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

1. Tor Andrae: 'Die Person Muhammeds in Lehre Und Glauben Siener Gemeinde' in Archives d'Etudes Orientales, XVI 1918.

2. Tor Andrae: Muhammed, Sein Leben Und Glaube, Gottingen 1932.

3. H. Lammens: Mahomet fut-il Sincere: 1911.

4. H. Lammens: L'Islam, croyances et Institutions: 1941.

5. A. Geiger: Was hat Muhammed aus dem Judentum aufgenommen: 1833.

6. J. Goldziher: Muhammedanish Studien: 1880-1890.

7. Th. Noldeke: Geschichte des Qoran: revised by Schwally, Leipzig: 1909-1919.

8. D.S. Margoliouth: Early Development of Muhammadanism: 1914.

9. G.E. Grunebaum: Medieval Islam: 1946.

10. J. Schacht: The Origins of Muhammadan Jurisprudence: 1950.

11. St. Clair Tisdall: The Original Sources of the Quran: 1911.

12. C.C. Torrey: The Jewish Foundation of Islam: 1933.

13. Sprenger: Das Leben Und Die Lehre Des Mohammed: 1862.

14. Richard Bell: The Origin of Islam in Its Christian Environment.

(۸) خیر القرون یعنی قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد 661 عیسوی سے بلا فصل آج تک امت مسلمہ پر مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی و مشربی مشائخ کا تسلط برقرار رہا ہے اس لئے بنیادی طور پر وہی زندگی کے جملہ شعبوں میں امت کی نمائندگی کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ گزشتہ دوسو سالوں میں خارجی محاذ سے امت مسلمہ اور دین اللہ کے خلاف ابلیس، دجال اکبر، شیاطین اور منکرین حق نے مذکورہ دعوے پیش کئے تو ان کے جواب میں مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ نے درج ذیل طریقوں سے ردعمل کا اظہار کیا:

(۱) خارجی محاذ سے کئے گئے ان دعوؤں کو جھوٹ، بہتان، اللہ، رسول، اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف الزام تراشی قرار دیا گیا۔

(۲) خارجی محاذ سے کئے گئے ان دعوؤں کو عملی اور تحقیقی طور پر عملاً پاش پاش کرنے کے لئے عملی اور وسیع تر اقدامات کرنے کی بجائے ایسے دعوے کرنے والوں کی خوب خوب ملامت میں سارا زور صرف کیا گیا۔ مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی جانب سے باضابطہ اور منصوبہ بند کوشش کے ذریعہ ان دعوؤں کی اصل کنہہ معلوم کی گئی نہ ان کا کماحقہ علمی جواب دیا گیا۔

(۳) اس تعلق سے نہ صرف خارجی محاذ پر کھڑے لوگوں کی ملامت کرنے اور انہیں بُرا کہنے پر اکتفاء کیا گیا بلکہ جن چند مخلص اہلِ ایمان نے خارجی محاذ کے ان توپوں کا منہ بند کرنے کے لئے تنقیح، تحقیق اور علم کے حقیقی سمندر میں اترنے کا فیصلہ کیا ان کی بھی ملامت کی گئی اور انہیں تنقیح، تحقیق اور علم کے سمندر میں اترنے سے عملاً روکا گیا اور ہر ایسی کوشش کو بالواسطہ یا بلاواسطہ، علانیتاً یا خفیتاً، صریحاً یا اشارتاً مردود قرار دیا گیا جس میں تنقیح اور تحقیق کی جانب پیش قدمی کی صورت سامنے آئی ۔ پچھلے دوسو سالوں میں اس کی سب سے واضح مثال شبلی نعمانی (1857-1914) کی سیرت النبی (جلد اوّل) اور اس کی بقیہ جلدوں میں سیرت نگاری کے ساتھ کیا گیا سلوک ہے ۔ واضح رہے کہ شبلی نے الفاروق 1898 میں اور سیرت النبی (جلد اوّل)

1912 میں لکھی [illegible] داخل کہاں ہوئے تھے! وہ تو ابھی ریگ ساحل پر کھڑے ہو کر سمندر اور اس کی گہرائی کا جائزہ لے رہے تھے۔

(۹) آخر مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کا یہ رویہ کیوں ہے؟

(۱) ایک جانب خارجی محاذ سے امت پر ہونے والے سنگین سے سنگین حملے اور ان کا نہ رکنے والا سلسلہ اور ــــ

(۲) دوسری جانب داخلی محاذ سے مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی طرف سے صرف سخت سے سخت الفاظ اور پیرایہ بیان میں ملامت ــــ اور

(۳) تیسری جانب مخلصین امت کی طرف سے خارجی محاذ کو خاموش کرنے کے لئے تنقیح و تحقیق کے ذیل میں کی جانے والی ہر کوشش کا مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی جانب سے واقعی اور شدید مخالفت اور ایسی ہر کوشش کی حوصلہ شکنی بلکہ ایسا کرنے والوں کی ملامت ــــ

(۱۰) یہ ایک ایسا معمہ ہے جس کا حقیقی اور حتمی جواب پانا اب امت مسلمہ کے لئے ناگزیر ہو چکا ہے۔ تحقیق کرنے سے اس کے درج ذیل حقیقی اور حتمی جوابات سامنے آتے ہیں:

(۱) جہاں خارجی محاذ سے کئے گئے حملے دراصل اکثر کوبی مقتدرہ کی جانب سے کئے گئے حملے تھے جو حقیقی، سنجیدہ اور منصوبہ بند تھے وہیں داخلی محاذ سے مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی جانب سے ان کی جوابی ملامت شعوری یا لاشعوری طور پر کی گئی ایک تاریخی کوشش تھی جس کے پیچھے محض روایتی دکھاوا، تن آسانی یا خوش فہمی تھی یا بعض حلقوں کی صریح جنگ زرگری۔

(۲) خارجی محاذ تو علانیہ اکثر کوبی مقتدرہ کا ہی محاذ رہا ہے لیکن دقت نظر سے لیا گیا جائزہ یہ بھی بتاتا ہے کہ 661 عیسوی سے امت پر بلا فصل مسلط مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی پوری فوج اور ان کا پورا نظام فی الواقع کوبی مقتدرہ کا ہی پیدا کردہ اور پرداختہ ہے۔ خواہ اب یہ بات امت میں عام اور شائع نہ ہو یا خود ان مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کو معلوم نہ ہو۔

(۳) 661 عیسوی کے بعد امت مسلمہ پر حاوی اور رائج مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور

مذہبی مشائخ کا نظام دراصل یہودیت کی تشکیل جدید ہے۔ الغرض دجال اکبر کے اس روح فرسا مرحلے اور اس کے پیچ وخم اور منشط ومکرہ کی واضح خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دی تھی:

(۱) ''تم (امت مسلمہ محمدیہ کے ملا) ان کے نقشِ قدم پر چل کر رہو گے۔ ایک ایک انگشت، ایک ایک بالشت، ایک ایک ہاتھ۔'' (رواہ البخاری باب اعتصام الکتاب والسنۃ)

(۲) ''تم (امت مسلمہ محمدیہ کے ملا) بالکل ان کے مثل ہو کر رہو گے جیسے حذو النعل بالنعل ایک جوتا اپنے جوڑے سے بالکل یکساں ہوتا ہے۔'' (رواہ الترمذی)

(۳) ''قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا دور آئے گا کہ...... مسجدیں آباد تو ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی اور اس دور کے علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ ان سے فتنے ظاہر ہوں گے اور پھر فتنے وہیں بار بار جنم لیں گے۔ (رواہ البیہقی فی الشعب الایمان)

(۱۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صریح ارشادات کے باوجود خارجی اور داخلی محاذ کی موجودہ صورت حال اور اس کے تاریخی پس منظر کا سمجھنا اور حوادث کا فحص کرنا آسان نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کو پندرہ سو سال گزر چکے ہیں۔ بہت سی باتیں مٹ چکی ہیں، بہت سے نشانات محو ہو چکے ہیں اور بہت سی یادیں دھندلا گئی ہیں۔

مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی جانب سے کوئی مقتدرہ کے حملوں پر صرف ملامت پر اکتفاء کرنے اور مخلص مسلمانوں کی جانب سے کی جانے والی تنقیح وتحقیق کی ہر کوشش کو سبوتاژ کرنے اور اس کی حوصلہ شکنی کرنے کے حقیقی راز کو سمجھنے کے لئے ایک مثال پر غور کرنا ضروری ہے۔ مثال درج ذیل ہے:

''رات کا وقت ہے۔ ایک گھر کے مکیں سو رہے ہیں۔ پہرہ دار پہرہ دے رہے ہیں۔ وقفہ وقفہ سے کوئی کھٹکا ہوتا ہے۔ ہر کھٹکے پر مکینوں میں سے کوئی اٹھ کر پہرہ داروں سے دریافت کرتا ہے کہ یہ آواز کیسی تھی؟ کہیں کوئی چور تو نہیں گھس آیا؟ پہرہ دار بار بار جواب دیتے ہیں کہ نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ ہر چیز محفوظ ہے۔ کوئی چور داخل ہوا نہ کسی شئے کی چوری ہوئی ہے۔ مکینوں کو ہر بار یہ جواب ملتا ہو۔ اتنے میں چند راہ گیر بھی آتے ہیں اور مکینوں اور پہرہ داروں کو مطلع کرتے ہوئے

کہتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے [illegible] نے نقب لگائی ہے اور وہ گھر کا سامان چوری کر کے لے جا رہے ہیں۔ اس پر پہرہ دار راہ گیروں کی ملامت کرتے ہیں اور مکینوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ سب کچھ محفوظ ہے، کوئی چور داخل ہوا نہ کسی شئے کی چوری ہوئی۔ دیوار میں کوئی نقب لگائی گئی ہے نہ کوئی چیز غائب ہوئی ہے۔"

اس مثال کی تنقیح کی جائے تو درج ذیل دو باتوں میں سے کوئی ایک لازماً درست ثابت ہوگی:

(۱) پہرہ دار نہ صرف سچے، ذمہ دار، باخبر، مستعد اور مخلص ہیں بلکہ وہ فی الواقع اپنی ذمہ داریاں ہر ہر پل پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کر رہے ہیں اور انہیں سارے گھر کے اندر اور باہر کی پل پل کی خبر ہے اور وہ اپنی پل پل کی باخبری کی بنیاد پر مکینوں کو اطمینان دلا رہے ہیں کہ چوری کا کوئی ناخوشگوار واقعہ ہوا نہ کوئی چور آیا، نہ اس نے نقب لگائی، نہ گھر کی کوئی چیز چوری گئی اور یہ کہ ان کے پاس ہر شئے سے متعلق پوری اور تازہ ترین باخبری ہے کہ گھر کی ہر چیز محفوظ ہے۔

(۲) پہرہ دار چوروں سے ملے ہوئے لوگ ہیں جو مکینوں کے ذریعہ ہر کھٹکا ہونے پر اٹھ کر پوچھنے اور راہ گیروں کے بار بار مطلع کرنے کے باوجود نہ گھر کا جائزہ لیتے ہیں نہ جا کر موقع پر دیکھنے کی زحمت اٹھاتے ہیں بلکہ ہر بار نہ صرف یہ کہ پوری شدت اور جزم کے ساتھ اطمینان دلاتے ہیں بلکہ ہر اس شخص کو ملامت اور طعن کا نشانہ بناتے ہیں جو گھر کی ہر چیز کا از سر نو جائزہ لینے یا معائنہ کرنے کی بات کرتا ہے اور ہر اس کوشش کو سبوتاژ کرنے کے درپے ہوتے ہیں جو گھر کے معائنہ سے متعلق ہے۔

(۱۲) پچھلے دو سو سالوں میں امت پر ہونے والے ان خارجی حملوں کا اس عاجز نے پوری وقت نظر سے جائزہ لینے اور ان حیران کن دعوؤں کی حقیقت اور ایسے دعوے کرنے کی اصل غایت کو جاننے کی کوشش کی تو اسے بڑے حیران کن اور ہولناک باتوں اور حقائق کا علم ہوا۔ یہ حقائق درج ذیل ہیں:

(۱) دین اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، سنت رسول اللہ، سیرت طیبہ، تاریخ اسلامی اور امت مسلمہ کے تعلق سے ان دعوؤں کی اصل حقیقت یہ ہے کہ کوئی مقتدرہ 661 عیسوی سے لے کر اب تک اپنی عظیم، منصوبہ بند اور مسلسل کی جانے والی سازشانہ کارروائیوں کے نتیجے میں اس مقام تک پہنچ گیا ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے ان پندرہ سو سالوں

کے دوران، اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، سنت رسول اللہ اور امت مسلمہ کی حقیقت کے حتمی اور راور یجنل ثبوت اور آثار کلیتاً مٹا دیئے ہیں۔ اس کے مطابق اب ان چیزوں سے متعلق ہر زمینی اور حقیقی ثبوت مٹایا جا چکا ہے لہٰذا اب کوئی ان کی تاریخی حقیقت کو ثابت نہیں کر سکتا۔ اسلام، قرآن، سنت رسول اللہ اور اسلامی تاریخ کے اکثر مؤثر اور حتمی ثبوت مٹ چکے ہیں۔ اسلام، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب صرف افسانہ (Myth) کی طرح باقی بچے ہیں۔ دنیا میں بہت سارے افسانے (Myths) ہیں جن پر کروڑوں لوگ یقین کرتے ہیں۔ اسلام، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بھی اب انہیں میں سے ایک ایسے افسانے (Myths) کی ہے جس پر کروڑوں مسلمان یقین رکھتے ہیں۔

اس تعلق سے جو بات سب سے زیادہ حیران کن اور ہولناک سامنے آئی وہ یہ ہے کہ پچھلے پندرہ سو سالوں میں ہر لمحہ، ہر مقام اور ہر موڑ پر کوبی مقتدرہ کو اپنے اس مشن کی تکمیل میں مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کا عملی تعاون حاصل رہا ہے۔ امت مسلمہ کے مذہبی حکمراں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ ہی دراصل ان کے اصل آلۂ کار اور جارحہ کی طرح کام کرتے رہے ہیں۔

(۲) 661 عیسوی کے بعد مسلمانوں میں چھپے یہودی علماء اور یہودی اساطین کے ذریعہ اور بعد میں باضابطہ معرض وجود میں آئے مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی عملداری میں اس کام کو سرانجام دیا گیا۔

(۳) اس عاجز نے اسلام کے تمام آثار، ثبوت، نشانات اور ان کے لوازم کا جائزہ لیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ کوبی مقتدرہ اور مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی مشترکہ کارروائی کے نتیجے میں پوری امت مسلمہ لٹ کر تہی دامن ہو چکی ہے۔ اب امت کے پاس فی الواقع دین اللہ کی تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے ان کے دلوں میں جاگزیں ایمان کے سوا کچھ بھی باقی نہیں بچا ہے۔ دین اللہ کے دشمنوں نے سارے نشانات مٹا دیئے ہیں۔

(۴) جہاں ایک جانب کوبی مقتدرہ کا عمل اور ان کے دعوے پوری طرح خلاف واقعہ اور کھوکھلے نہیں وہیں دوسری جانب مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی طرف سے صرف اہل مغرب کی ملامت پر اکتفاء کرنا اور مذکورہ دعوؤں کی تنقیح اور حقائق کی تحقیق کی ہر کاوش کو سبوتاژ کرنا کم معنی خیز نہیں۔ یہ روایت بڑی پرانی ہے۔ ممکن ہے کہ آج کے مذہبی حکمرانوں،

مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ [illegible] تنقیح و تحقیق کرنے والوں کے

ساتھ ایسا سلوک وہ محض اپنے اسلاف کی تقلید میں کر رہے ہوں لیکن جہاں تک ان مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کے اسلاف کی بات ہے تو انہیں اپنے اپنے زمانے میں ایسی تنقیح اور تحقیق کرنے والوں سے لازماً خوف ہوتا تھا۔ انہیں اس بات کا خوف ہوتا تھا کہ کہیں کوکبی مقتدرہ کے ساتھ مل کر 661 عیسوی سے ان کی مشترکہ کارروائی امت پر منکشف نہ ہو جائے۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں امت کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ دین اللہ کی کھلی کھلی غارت گری ہوئی ہے۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں امت کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ ان مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کے ذریعہ کوکبی مقتدرہ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک جانب اسلام کے بجائے اسی نام پر ایک جعلی مذہب تشکیل دے کر رائج کر دیا گیا ہے اور دوسری جانب اسلام، قرآن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مسلمہ کی ایک ایک حتمی نشانی روئے ارض سے مٹا دی گئی ہے۔

(۱۳) اس تحقیق میں یہ عاجز اس نتیجے تک پہنچا ہے کہ گزشتہ چودہ سو سالوں میں اسلام کی کھلی کھلی غارت گری ہوئی ہے۔ اسے مٹا دیا گیا ہے اور اس کی جگہ ایک جعلی مذہب کی تشکیل کی گئی ہے اور اس کوشش میں 661 اور 900 عیسوی کے مابین پائے جانے والے اکثر مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کوکبی مقتدرہ کے ساتھ برابر کے شریک رہے ہیں۔

(۱۴) ان چودہ سو سالوں میں ایک جانب:

(۱) قرآن اور اس کے تمام حتمی لوازم کو روئے زمین سے ختم کرنے، انہیں تلف کرنے اور قرآن سے متعلق ایک ایک نشانی کو مٹا دینے ـــــ

(۲) نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور اس کے تمام حتمی لوازم اور نشانیوں کو روئے زمین سے ختم کرنے اور انہیں تلف کرنے ـــــ

(۳) نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اس کے تمام حتمی لوازم اور نشانیوں کو روئے زمین سے ختم کرنے اور انہیں تلف کرنے ـــــ

(۴) نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور اس کے تمام حتمی لوازم اور نشانیوں کو روئے زمین سے ختم کرنے اور انہیں تلف کرنے ـــــ

(۵) نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان

'عربی مبین' اور اس کے تمام حتمی لوازم اور نشانیوں کو روئے زمین سے ختم کرنے اور انہیں تلف کرنے ـــــ

(۲) نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی برپا کردہ 'امت وسط' اور معرکۂ دجال اکبر میں ربانی جارحہ امت مسلمہ محمدیہ اور اس کی تاریخ کے تمام حتمی آثار، لوازم اور نشانیوں کو روئے زمین سے ختم کرنے اور انہیں تلف کرنے ـــــ

کی پوری منصوبہ بند اور طویل المدت سازش اور اس کی عملی کوشش کی گئی۔

(۱۵) وہیں ان چودہ سوسالوں میں دوسری جانب:

(۱) اسلام ـــــ دین اللہ کی جگہ ایک 'جعلی دین' تشکیل دینے کی کوشش ہوئی جسے معاشرے میں مذہب اسلام کے نام سے روشناس کرایا گیا،

(۲) قرآن، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے علم اور طاقت کے بقدر مٹا کر اس کی جگہ جعلی اسلام کا ایک علمی پشتارہ تیار کیا گیا،

(۳) یہودیت کی تابعیت میں اس مذہبی، مسلکی اور مشربی اسلام کو موثق اور مدلل بنانے کے لئے:

(۱) غیر دینی تفسیر قرآن

(۲) جعلی سنت

(۳) احادیث

(۴) غیر دینی، غیر ربانی، غیر قرآنی، غیر نبوی فقہ اصغر اور فقہ اکبر

(۵) غیر دینی، غیر ربانی، غیر قرآنی، غیر نبوی تصوف ـــــ اور

(۶) جعلی اور تراشیدہ و خراشیدہ (Tailored) تاریخ اسلام اور تاریخ امت

کی ـــــ حاصل کردہ قوت نافذہ کا استعمال کرتے ہوئے پوری شدت سے ترویج کی گئی۔ چنانچہ کوبی مقتدرہ کی یہ عظیم سازش مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی مدد سے بڑی حد تک نبی آخر الزماں کے قائم کردہ اصلی دین کو روئے زمین پر محجوب کرنے اور اجنبی بنادینے میں کامیاب ہوگئی۔

(۱۶) عین ممکن ہے کہ عاجز کی اس بات پر کسی کو یہ شبہ لاحق ہو کہ ایسا ہونا کیسے ممکن ہے؟ امت

مسلمہ کی مسلسل اور [illegible] قائم اور اس کے لئے جاں نثاری کرنے والے معاشرے میں جہاں اسلام مسلسل برتا جا رہا ہو اتنی بڑی سازش کیسے کامیاب ہو سکتی ہے؟ جس معاشرے میں تواتر، تسلسل اور عن فلاں عن فلاں کا مسلسل ڈنکا پیٹا جا رہا ہو وہاں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

(۱۷) یہ عاجز پھر وثوق سے کہتا ہے کہ ایسا کیسے ہو سکتا نہیں بلکہ فی الواقع ایسا ہی ہوا ہے۔ بلاشبہ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ایسا ہونا یقیناً بغیر ایک عظیم اور منصوبہ بند سازش کے اور بغیر مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی بھرپور شرکت کے ـــــ جن کا 661 عیسوی سے اب تک امت مسلمہ پر مسلسل اور ہمہ گیر تسلط رہا ہے، ناممکن ہے۔

(۱۸) یہ عاجز اس کو ثابت کرنے کے لئے سردست صرف ایک امر کا ذکر کرتا ہے اور اس سے متعلق ان تمام مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ سے جو عاجز کی بات سے اتفاق نہیں کرتے چند سوالات کرتا ہے۔ عاجز کے سوالات ایک ایسے امر سے متعلق ہیں جس سے زیادہ عظیم الشان امر اس امت میں کوئی دوسرا نہیں۔ یہ وہ امر ہے جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ:

(۱) اس کا وجود روئے زمین پر پائے جانے والے کسی بھی وجود کے مقابلے میں تواتر اور تسلسل کے اعلیٰ ترین معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اور یہ کہ

(۲) اس کا ایک ایک کلمہ ہر طرح کی تحریف اور تصرف سے کلیتاً پاک ہے۔ اور وہ امر ہے ـــــ اللہ کی کتاب 'قرآن'۔

اس سوال کے ذریعہ یہ عاجز کوکبی مقتدرہ کے دعوے کی سچائی کو نہیں بلکہ مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کے بلند بانگ دعوؤں اور ان کی خوش فہمی کے کھوکھلے پن کو واضح کرنا چاہتا ہے رہا معاملہ قرآن کی حفاظت کا تو یہ عاجز خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو کون چیلنج دے سکتا ہے۔ جس کی یہ کتاب ہے وہ اس کی حفاظت کے لئے ان مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کا محتاج نہیں۔

چنانچہ اس سوال کے ذریعہ یہ عاجز صرف یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ ان چودہ سو سالوں میں کی گئی عظیم الشان کوکبی سازش کے تحت اور مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی ملی بھگت سے دین اللہ پر کتنی بڑی ضرب لگائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ ان سوالات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کوکبی مقتدرہ نے مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کے تعاون سے 'قرآن' کی اپنے علم کی حد تک کیا

(۱۹) قرآن سے متعلق سوالات درج ذیل ہیں:

(۱) سوال یکم: سارے مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ سورۃ البقرہ کی آیت ۱ یعنی الٓمّٓ کو ناظرہ پڑھ دیں۔

(۲) سوال دوم: اب یہ بتائیں کہ انہوں نے 'م' پر موجود شدہ یعنی تشدید کو کیوں نہیں پڑھا؟

(۳) سوال سوم: البقرہ آیت ۱ یعنی الٓمّٓ میں تشدید نہ پڑھنے کی ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ یقیناً ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تو کیا وہ یہ رائے رکھتے ہیں کہ البقرہ آیت ۱ میں تشدید صرف تزئین کے لئے ہے؟ کیا قرآن میں دیگر تمام مقامات پر موجود تشدید کو اسی طرح تزئین مان کر ان کی قرأت سے صرف نظر کر لیا جائے؟

(۴) سوال چہارم: کیا سورۃ البقرہ آیت ۱ یعنی الٓمّٓ پر موجود تشدید غلط ہے؟

(۵) سوال پنجم: اگر غلط نہیں تو پھر جن مصاحف میں تشدید نہیں ہے کیا وہ مصاحف غلط ہیں؟

(۶) سوال ششم: اگر دونوں مصاحف غلط نہیں تو کیوں؟ کوئی دلیل؟ اور اگر دونوں غلط ہیں تو اب تک کسی نے ان پر نقد کیوں نہیں کیا؟

(۷) سوال ہفتم: اگر فی زمانہ مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ البقرہ آیت ۱ میں واقع تشدید کی حقیقت نہیں جانتے تو کیا یہ بات باور کر لی جائے کہ:

امت مسلمہ محمدیہ کم از کم ایک مقام اور کم از کم ایک تشدید کی حد تک قرآن کے اس علم سے جو نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کو ملا تھا حقیقی اور حتمی طور پر محروم ہو گئی ہے۔ اور کم از کم ایک آیت یا ایک کلمہ یا ایک تشدید کی حد تک اس امت محمدیہ میں قرآن کا تواتر جسمانی، حقیقی اور معنوی طور پر مجروح ہو چکا ہے۔ کیا یہ بات باور کر لی جائے کہ قرآن کم از کم ایک آیت یا ایک کلمہ یا ایک تشدید کی حد تک محرف اور مصرف ہو چکا ہے۔ (اگر تشدید درست ہے تو ان مصاحف میں جن میں تشدید نہیں اور اگر تشدید نادرست ہے تو ان مصاحف میں جن میں وہ موجود ہے)۔

بحران کا داخلی محور

(۱) آج سے تقریباً پچاس سال قبل بیسویں صدی عیسوی کی پانچویں دہائی میں ایک مغربی دانشور نے لاہور میں منعقد ایک کلوکیم میں بصورت مسئلہ ایک ایسی بات کہی جس نے مجلس میں موجود اکابر علماء اسلام کو ششدر کر کے رکھ دیا۔ جواباً امت کے بعض اکابر نے اس مجلس میں اور اس سے باہر سائل پر طعن کیا۔ قطع نظر اس سے کہ سائل یا معترض آپ کی بات قبول کرتا ہے یا نہیں اسے معقول جواب دینے کی بجائے سائل کو صرف طعن کا نشانہ بنانا یا سوال کرنے پر غصہ کا اظہار کرنا محض اپنا کھوکھلا پن ظاہر کرتا ہے۔ ہر چند کہ اس وقت کے عبقری علماء میں منفرد اور سب سے بیدار مغز مولانا مودودی نے جو اس کلوکیم میں موجود تھے اس کا جواب دیا۔ لیکن جو حضرات مولانا مودودی کے پیرایۂ بیان، انتخاب الفاظ اور ان کے دروبست کی گہرائیوں کو جانتے ہیں وہ اس عاجز کی بات کی تصدیق کریں گے کہ مولانا مودودی اپنے جواب سے خود مطمئن نہ تھے اور گویا وہ اس بات کے خواہش مند تھے کہ اس مسئلہ پر امت کے دیگر اہل علم بھی سنجیدگی سے غور کریں اور اس کا ایک ایسا جواب تلاش کریں جو اطمینان بخش ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ کی اس عظیم و ہولناک گتھی کو بھی سلجھائے جس نے تقریباً چودہ سو سالوں سے امت کو تہہ و بالا اور اس میں غور و فکر کرنے والوں کو ششدر کر رکھا ہے۔

مذکورہ مغربی دانش ور نے کہا تھا:

”میں نے اسلام کا جو کچھ مطالعہ کیا ہے اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام سب سے اچھا دین ہے، لیکن اس میں ایک ایسی خرابی پائی جاتی ہے جس نے اس کی تمام خوبیوں کو

بے معنی بنا کر رکھ دیا ہے اور وہ خرابی یہ ہے کہ جب تک اسلام کی گاڑی پٹری پر ہو سب کچھ ٹھیک رہتا ہے لیکن اگر ایک بار وہ پٹری سے اتر جائے تو پھر اسے دوبارہ پٹری پر لایا نہیں جا سکتا۔"

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: دجال: جلد۔ سوم)

(۲) باخبر حضرات واقف ہوں گے کہ امت کے سامنے چودہ سو سالوں سے چلا آ رہا یہ مسئلہ عصر حاضر میں اب امت کی موت وحیات سے متعلق فیصلہ بن چکا ہے۔ اب اس آخری طوفان کی آمد آمد ہے جس کا انتظار چودہ سو سالوں سے ہو رہا تھا۔ بلکہ فی الواقع وہ طوفان برپا ہو چکا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کوئی سائل ہے اور نہ معترض۔ پوری روئے ارض پر امت مسلمہ محمدیہ خود ایک سوال بنا دی گئی ہے۔ اٹھنے والا طوفانی سلسلہ امت مسلمہ سے سوال پوچھنے کے لئے نہیں آ رہا ہے۔ اس اٹھنے والے طوفان کے حقیقی چیلنج کا مقابلہ امت کے صرف وہی لوگ کر سکیں گے جو اس سوال کا صحیح جواب جانتے ہیں۔ اس سوال کا جلداز جلد اصلی اور حقیقی جواب معلوم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے امت کو چودہ سو سال دیئے۔ لہٰذا اب اس طوفان رستاخیز میں صرف اسی حیات کی کامیابی کی ضمانت دی جا سکتی ہے جس کے پاس اس سوال کا حقیقی جواب ہوگا۔ یہ سوال دراصل متعدد سوالات کا ایک مجموعہ ہے جسے ذیل میں یوں ملخص کیا جا سکتا ہے:

(۱) کیا امت مسلمہ میں اصلاح کی ضرورت ہے؟

(۲) کیا امت مسلمہ میں اصلاح کرنا ممکن ہے؟

(۳) کیا امت مسلمہ میں اصلاح کرنے کی کوئی روایت رہی ہے؟

(۴) (اگر اصلاح کرنے کی روایت رہی ہے تو) کیا امت مسلمہ میں اصلاح کرنے کے سابقہ مساعی کامیاب رہے ہیں؟

(۵) (اگر ایسے مساعی کامیاب رہے ہیں تو) امت مسلمہ میں اب اصلاح کرنے کی مؤثر اور حسب حال صورت کیا ہوگی؟

(۶) اس صورت میں اصلاح کے لئے کیا حکمت عملی (Strategy) اور اس کا کون سا منہج (Methodology) اختیار کیا جائے؟

(۳) واضح رہے کہ قرآن وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکورہ 'اصلاح' کا بدقسمتی سے اسلامی تاریخ میں معروف ومشہور 'اصلاح' سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلامی تاریخ میں مذکور 'اصلاح' اور اس کے مفہوم سے قرآن وسنت ناواقف ہیں۔

قرآن و سنت میں مذکور 'اصلاح' نبوی اور رسالتی عمل اور ان کا ورثہ ہے۔ اس سے مراد بنی نوع

انسان میں مردہ یا مردہ ہوتی ہوئی حقیقی دینی روح اور قوت عمل کو از سر نو برسر کار کرنا ہے تا کہ فرد و افراد

بحیثیت امت مسلمہ اپنے فرض منصبی کو انجام دے کر رضاء الٰہی کو حاصل کر سکیں۔

(۴) اسلامی تاریخ میں 'اصلاح' کا مفہوم روایتاً دو جہتوں سے لیا جاتا رہا ہے۔ (واضح رہے کہ یہاں یوروپی نشاۃ ثانیہ کے بعد رائج اور انیسویں صدی عیسوی میں مسلمانوں میں درآمد کردہ مفہوم یعنی اصلاح بمعنی (Reform) سرے سے زیر بحث نہیں)۔

اسلامی تاریخ میں معروف اصلاح کی ان دو جہتوں کو عصر حاضر میں مولانا مودودی اور مولانا علی ندوی نے واضح کیا ہے۔ ان دونوں حضرات نے 'اصلاح' اور 'تجدید' کو تقریباً مترادف مانا ہے۔ اول الذکر نے 'تجدید و احیاء دین اور امام المھدی' میں صراحتاً اور ثانی الذکر نے "تاریخ دعوت و عزیمت" میں کنایتہً۔ 'اصلاح' کے تعلق سے ثانی الذکر کا زاویہ نظر مسلم تاریخ میں زیادہ مشہور ہے اور اول الذکر کا کم۔ لیکن چونکہ ثانی الذکر کے مفہوم کی اساس قرآن و سنت پر کم اور مذہبی عقیدت پر زیادہ قائم ہے اس لئے مسئلہ زیر بحث میں یہ مفہوم ہمارے دائرۂ بحث سے خارج ہے۔

مولانا مودودی نے مسلم تاریخ میں فکر کی اس رو کی ترجمانی کی ہے جس میں عقیدت سے زیادہ قرآن و سنت کے اتباع پر زور دیا گیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے کے باوجود یہ مفہوم بھی بوجوہ محل نظر لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زاویہ نظر دو باتوں کے سبب نفس مسئلہ کی حقیقت کو واضح کرنے میں ناکام نظر آتا ہے۔

(۱) اس زاویہ نظر سے پیش کردہ فکر میں بے شعورانہ ہی سہی دین اور مذہب کو مترادف مان لیا گیا ہے۔

(۲) اس زاویہ نظر سے پیش کردہ فکر میں ہر چند کہ بظاہر عقیدت کی کارفرمائی نظر نہیں آتی اور تجزیہ کی بنا قرآن و سنت پر قائم کی گئی ہے تاہم امت میں 'قبول عام' 'شہرت' اور 'عام متبوعیت' کو تسلیم کر کے بالواسطہ 'عقیدت' کو ایک عامل قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ یہاں 'ذاتی عقیدت' کی بجائے صرف 'ملی عقیدت' کو تسلیم کیا گیا ہے۔

جب کہ فی الواقع 'اصلاح' اور 'تجدید' سنت اللہ کے تحت جاری کردہ نبوی سنت اور نبوی وراثت ہیں۔ 'اصلاح' و 'تجدید' مترادف ہوتے ہوئے بھی ایک باریک فرق کے سبب گویا ایک ہی شئے کے دو زاویئے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ اس فرق کو یوں واضح کیا جا سکتا ہے:

[illegible] حقیقی دینی روح اور قوت عمل کو ازسرنو برسرکار کرنا تاکہ فرد/افراد بحیثیت امت مسلمہ اپنے فرض منصبی کو انجام دے کر رضاء الٰہی کو پورا کرسکیں۔

(۲) تجدید: حقیقی دینی روح اور قوت عمل کو ماحول کے سخت تر اور ناموافق تر ہوتی ہوئی حالت میں برسرکار رکھنا تاکہ فرد/افراد بحیثیت امت مسلمہ اپنے فرض منصبی کو انجام دے کر رضاء الٰہی کو پورا کرسکیں۔

(۵) تاریخ نبوت و رسالت میں اصلاح و تجدید کی یہ سنت ہمیشہ جاری رہی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی یہ سنت جاری تھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی اس سنت کے جاری رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ تاریخ نبوت و رسالت میں اس کی صورت درج ذیل احوال سے عبارت رہی ہے:

(۱) رسول اور ہاد کے بعد ماحول کا دین اللہ اور اس پر مخلصانہ چلنے والوں کے لئے موافق سے ناموافق اور پھر ناموافق تر ہوتا جانا۔

(۲) بدلتے ہوئے اس ماحول میں دین اللہ اور اس پر مخلصانہ چلنے والوں کا پہلے گوارا پھر ناگوار اور بالآخر ناقابل برداشت ہوتا جانا،

(۳) بدلتے ہوئے اس ماحول میں دین اللہ پر مخلصانہ چلنے والوں حتی کہ ان میں سب سے مثالی شخص کا بھی نسبتاً کم مقبول پھر غیر مقبول یہاں تک کہ مبغوض یا گمنام ہوتا جانا۔

(۴) بدلتے ہوئے اس ماحول میں دین اللہ کا اجنبی اور غریب پھر کلتیاً اجنبی اور غریب ہوجانا یہاں تک کہ دینی عمل اور اس پر عامل افراد کو معاشرہ حیرت، استعجاب، اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا نئی اور کیسی اجنبی بات کی جارہی ہے۔

(۶) چنانچہ نبوت و رسالت کی حقیقی اور قرآن و سنت میں بیان کردہ تاریخ اسی کی گواہی دیتی ہے:

یہی وہ صورت حال ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جاری رہی۔ چنانچہ حضرت داؤد سے حضرت عموس علیھم السلام تک انبیاء بنی اسرائیل قوم بنی اسرائیل میں بالعموم اور مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کے مابین بالخصوص تیزی سے نامقبول ہوتے چلے گئے۔ حضرت یرمیاہ سے حضرت عزیر علیھم السلام تک انبیاء بنی اسرائیل کسی قدر گوارا قرار دیئے گئے اور حضرت نحمیاہ سے حضرت عیسیٰ علیھم السلام تک نامقبول، گمنام اور ناقابل برداشت ہوگئے۔ حضرت

زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو بنی اسرائیل کی تاریخ اور 'تنکب' اور بالخصوص مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کی تاریخ نہ صرف نا قابلِ ذکر قرار دیتی ہیں بلکہ نا قابلِ برداشت بھی۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ انہیں قرآن میں انبیاء میں شمار کرتا ہے اور مصلح اور مجدد جیسے القاب دینے کی بجائے صراحتاً انبیاء اور وہ بھی اولوالعزم انبیاء قرار دیتا ہے۔

(۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے مابین اصلاح وتجدید کی یہی وہ نبوی سنت ہے جس کی بہترین اور واضح تاریخ حضرت سلمان فارسی کی طویل روایت جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے بیان کرتی ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں: الطبقات الکبریٰ لابن سعد: جلد۔ ۴ ذکر سلمان الفارسی)

(۸) تاریخ نبوت ورسالت میں اصلاح وتجدید کے پیمانے الگ ہیں۔ علم المعاشرت میں 'قبول عام'، 'شہرت'، 'عام متبوعیت' اور 'عقیدت' کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ انہیں اصلاح وتجدید کے پیمانوں میں سے ایک پیمانہ قرار دینا غلط نتائج اخذ کرنے یا نادرست اشخاص وافراد کی بحیثیت مصلح ومجدد شناخت کرنے کا باعث ہوگا۔

(۹) اسلامی تاریخ کو پڑھ کر کوئی شخص پوری دیانت داری کے ساتھ یہ بتائے کہ:

(۱) علی بن أبی طالب زیادہ مقبول اور متبوع تھے یا معاویہ بن أبی سفیان؟

(۲) حسن بن علی بن أبی طالب زیادہ مقبول اور متبوع تھے یا معاویہ بن أبی سفیان؟

(۳) حسین بن علی بن أبی طالب زیادہ مقبول اور متبوع تھے یا یزید بن معاویہ؟

(۴) عبداللہ بن الزبیر زیادہ مقبول اور متبوع تھے یا عبدالملک بن مروان؟

(۱۰) اسی طرح تاریخ اسلامی کو پڑھ کر کوئی شخص پوری دیانت داری کے ساتھ یہ بتائے کہ داخلی طور پر:

(۱) علی زیادہ Challenged تھے یا معاویہ؟

(۲) حسن زیادہ Challenged تھے یا معاویہ؟

(۳) حسین زیادہ Challenged تھے یا یزید؟

(۴) عبداللہ بن الزبیر زیادہ Challenged تھے یا عبدالملک بن مروان؟

(۱۱) نبوت ورسالت کی تاریخ 'اصلاح' اور 'تجدید' کے تعلق سے جس حقیقی صورتحال کا نقشہ پیش کرتی ہے وہ درج ذیل قول مبارکہ سے واضح ہوتی ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الدین لیارز إلی الحجاز

[illegible] الحجاز معقل الأروية من

راس الجبل، إن الدين بدأ غريباً و سيعود كمابدأ فطوبى للغرباء و هم الذين
يصلحون ما أفسد الناس من بعدى من سنتي" (رواه الترمذی)

ترجمہ: روایت کرتے ہیں: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: بے شک دین حجاز کی جانب اسی طرح سمٹے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سمٹتا ہے اور دین حجاز میں اسی طرح محدود سے محدود تر ہوتا جائے گا۔ جس طرح بے تحاشا خوفزدہ بچھڑا ہوا آدمی پہاڑ کی چوٹی کی طرف بھاگتا ہے۔ بے شک دین اجنبی کی طرح شروع ہوا اور پھر اسی طرح واپس آئے گا جیسے شروع ہوا تھا۔ پس (اپنے معاشرے میں بے نام، گمنام اور) اجنبی لوگوں کو خوش خبری ہو۔ اور یہ وہی لوگ ہیں جو میرے بعد میری سنتوں میں لوگوں کے ذریعہ فساد پیدا کئے جانے کی اصلاح کریں گے۔

یہی وہ سبب ہے کہ عاجز کے نزدیک مولانا مودودی کا تجزیہ اور مجددین کی شناخت قرآن وسنت پر مبنی ہوتے ہوئے بھی محل نظر ہے۔

(۱۲) گزشتہ چودہ سو سالوں سے امت میں رائج اسی تجزیاتی اسلوب اور زاویہ کا نتیجہ ہے کہ امت قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے باوجود اپنی پوری تاریخ میں بحیثیت امت مسلمہ اور امت وسط درج ذیل امور اور افراد کی درست اور حقیقی تعیین، تشخیص اور ان کی تدریج اور تقص سے قاصر رہی:

(۱) 'من يجدد لها دينها': کے تناظر میں مجددین کی تعیین، تشخیص اور تقص سے،

(۲) 'انه سيكون في امتي كذابون ثلثون': کے تناظر میں تیس کذابوں کی تعیین، تشخیص اور تقص سے،

(۳) 'يكون في آخر الزمان دجالون كذابون' : کے تناظر میں دجاجلہ کی تعیین، تشخیص اور تقص سے،

(۴) 'الدجال' : کے تناظر میں دجّال اکبر کی تعیین، تشخیص اور تقص سے،

(۵) 'المهدی': کے تناظر میں حضرت مہدی کی تعیین، تشخیص اور تقص سے،

(۶) 'الأئمة المضلين'، 'امارة على اقذاء'، 'هدنة على دخن'، 'دعاة الضلال'، 'فتنة عمياء و صماء' فتنة احلاس، فتنة سراء' فتنة دهيما وغیرہ: کے تناظر میں متعلقہ فتنوں اور کرداروں کی تعیین، تشخیص اور تقص سے۔

داخلی بحران

(ا) گزشتہ باب میں مذکور چھ سوالوں پر اس عاجز نے برسوں مطالعہ اور غور وفکر کیا ہے۔ اس مطالعہ اور غور وفکر کے بعد وہ جس نتیجے تک پہنچا ہے وہ درج ذیل ہے:

(ا) امت مسلمہ محمدیہ میں اصلاح کی ضرورت 661 عیسوی کے بعد ہمیشہ رہی ہے۔ اور یہ ضرورت وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ شدید تر ہوتی گئی جس کی خبر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی۔

(۲) امت مسلمہ محمدیہ میں اصلاح ممکن ہے۔

(۳) امت مسلمہ محمدیہ میں اصلاح کی روایت (Legacy or Tradition) قائم رہی ہے۔ یہ روایت مسلسل اور بلا فصل قائم رہی ہے۔

(۴) امت مسلمہ محمدیہ میں اصلاح کی شدید ضرورت ہونے اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مذکور غرباء (فطوبی للغرباء وھم الذین یصلحون . رواہ الترمذی) کے ذریعہ اصلاح کی ہونے والی مساعی کی خبر دیئے جانے کے باوجود بالعموم ملا اور بالخصوص مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کے نزدیک ایسی 'اصلاح' ناقابل معافی جرم قرار دی جاتی رہی ہے۔ چنانچہ اصلاح کرنے والے قابل گردن زدنی مجرم قرار دیئے جاتے رہے ہیں۔ انہیں اکثر مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کے ذریعہ باغی، ضال، مضل یا کافر قرار دیا جاتا رہا ہے۔

مصلحین ومجددین کے تعلق سے یہ روایت حسین بن علیؓ سے اقبال تک بلا فصل قائم رہی ہے۔

(۵) دو متضاد نقطہ ہای نظر سے مل کر بنی ملی تاریخ کی یہی وہ فضا ہے جس میں رہتے ہوئے 661 عیسوی کے بعد امت مسلمہ محمدیہ میں ہونے والی اصلاح کی بڑی سے بڑی اور عظیم الشان سے عظیم الشان کوشش بھی 'شبنم صبح گاہی' سے زیادہ پائیدار اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی اور یہی سبب ہے کہ اس امت میں اصلاح کی بڑی سے بڑی کوشش بھی مطلوبہ مقصد تک رسائی پانے کے قابل ہونے میں ناکام ثابت ہوئی۔

(۶) معرکۂ خیر وشر کے تناظر میں ہونے والی اصلاح سے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کافی ہدایات موجود ہیں۔ ان کی حرکیت (Dynamics) کے دو پہلو ہیں:

(۱) جاری معرکۂ خیر وشر یا بالفاظ دیگر معرکۂ دجال اکبر میں ابلیسی، دجالی قوتوں کی خارجی یورش اور امت مسلمہ میں داخلی محاذ پر واقع ہونے والے حوادث اور ان سے امت میں انہدام کا پہلو ــــــ

(۲) جاری معرکۂ خیر وشر میں امت مسلمہ کی جانب سے رضاء الٰہی کے حصول کے لئے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی کا پہلو ــــــ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں پہلوؤں سے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس اجمال کو دیکھ کر کسی کو یہ غلط فہمی لاحق نہیں ہونی چاہئے کہ گویا سب کچھ جبری (Predestined) ہو رہا ہے۔ اور انسان 'مجبور محض' ہے۔ ایسا سمجھنا اس کی تفصیل اور حرکیت سے صرف نظر کرنا اور سوء فہم کا شکار ہونا ہے۔

(۷) تاریخ میں انسانی معاشرہ درج ذیل امور اور تبدیلیوں سے عبارت ہے:

(۱) دین کو فساد آلودہ کر کے مذہب (Religion) بنا دیا جاتا ہے۔

(۲) مذہب (Religion) کی ابتداء مسلک (School) سے ہوتی ہے، پھر مسلک مشرب (Sect) بن جاتا ہے۔

(۳) مذہب (Religion) کی ابتداء شرک خفی ہے اور مذہب کی انتہا شرک جلی۔

(۴) اصلاح نبوی عمل اور نبوی وراثت ہے۔

(۵) اصلاح بنی نوع آدم سے دین اللہ کی جانب لوٹ جانے کا مطالبہ اور تقاضہ کرتی ہے۔

(۳) [illegible] مسلک (School) کو قبول ہے نہ مشرب (Sect)

کو اور نہ شرک کو۔ لہٰذا مذہب (Religion) والے اور بالخصوص اس کے ذمہ داران اصلاح اور اس کی دعوت دینے والے کو مسترد کر دیتے ہیں۔

(۴) دین کی طرف پلٹنے کا مفہوم ہے 'کتاب اللہ' اور 'سنت نبوی' کی مخلصانہ پیروی اور ان سے تمسک۔

(۵) قوم بنی اسرائیل جب تک دین پر قائم رہی امت مجتبیٰ اور امت مسلمہ قرار پائی۔ رفتہ رفتہ جب وہ پہلے مسلک (School) پھر مشرب (Sect) یہاں تک کہ شرک میں مبتلا ہو گئی تو مذہبی قرار پا کر یہودی یا الذین ھادوا بن گئی۔

(۶) مذہب، مسلک، مشرب اور شرک دین مخالف ہوتے ہیں اور کسی قیمت پر دین کو برداشت نہیں کرتے۔ چنانچہ یہ چاروں طبقے ہر اس شخص کے مخالف ہوتے ہیں جو 'اقامت دین' کے لئے مخلص یا مخلَص ہو۔ خواہ وہ رسول یا نبی ہو یا مسیح یا مہدی۔

(۷) یہی وہ سبب ہے کہ تاریخی طور پر مذہب، مسلک، مشرب اور شرک درج ذیل صفات و رجحانات کے حامل رہے ہیں:

(۱) رسول مخالف: یہ تمام طبقات کسی ایسے شخص کو برداشت نہیں کرتے جو یہ کہے کہ وہ اللہ کی جانب سے پیغام، حکم یا کتاب لے کر آیا ہے۔

(۲) کتاب اللہ مخالف: یہ تمام طبقات کسی ایسی کتاب یا حکم کو برداشت نہیں کرتے جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ اللہ کا حکم یا اس کی کتاب ہے۔

(۳) سنت رسول مخالف: یہ تمام طبقات کسی ایسی بات کو برداشت نہیں کرتے جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ سنت رسول ہے اور اس کا اتباع کیا جائے۔

(۴) مقصد دین مخالف: یہ تمام طبقات کسی ایسی بات کو برداشت نہیں کرتے جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ مقصد دین ہے جسے اللہ نے مقرر کیا ہے۔

(۵) معرکۂ خیر و شر مخالف: یہ تمام طبقات کسی ایسی بات کو برداشت نہیں کرتے جس میں جانی اور مالی قربانیوں کا مطالبہ کیا گیا ہو۔

(۸) یہی سبب ہے کہ مذہب، مسلک، مشرب اور شرک کے طبقات 'اصلاح مخالف' بھی ہوتے ہیں اور 'تجدید مخالف' بھی۔

(۹) یہی سبب ہے کہ مذہب، مسلک، مشرب اور شرک کے [illegible] حقیقی 'اصلاح' کو گمراہی اور حقیقی تجدید کو تجدد یا نئی بات قرار دیتے ہیں۔ (غلمان سفہاء، .... وجاء وابدین مبتدع: سیرت ابن ھشام جلد اوّل: حدیث ام سلمہ عن رسول قریش مع النجاشی)

(۱۰) یہی وہ تناقض (Paradox) ہے جو بنی اسرائیل کی تاریخ میں نظر آتا ہے۔ بنی اسرائیل اس تناقض (Paradox) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد بعثت سے بالعموم اور حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد بعثت سے بالخصوص ایسے مبتلا ہوئے کہ کبھی اس سے باہر نہ نکل سکے یہاں تک کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ تاریخ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عہد اس تناقض میں قوم کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے مبتلا ہونے کا نقطۂ عروج (Climax) ہے۔ اس تناقض (Paradox) کا یہی سب سے المناک پہلو ہے کہ قوم کے حکمراں، علماء اور مشائخ اسی شخص کو بدترین اذیت کا نشانہ بناتے اور شدید ترین سزا دیتے ہیں جس کے بھیجے جانے کے لئے وہ گڑگڑا گڑگڑا کر روز صبح وشام اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے رہے ہوں۔ ظاہر ہے یہ حقیقت شناسی میں بدترین ناکامی کا نتیجہ ہے۔ اور حقیقت شناسی میں یہ ناکامی بالعموم اس علم، فہم اور مزاج سے ہوتی ہے جو مذہب، مسلک، مشرب اور شرک فراہم کرتے ہیں۔

(۱۱) یہی سبب ہے کہ تاریخ انسانی میں مذہب (Religion)، مسلک (School)، مشرب (Sect) اور شرک اپنی اصل کے اعتبار سے 'مسیح مخالف' اور 'مہدی مخالف' واقع ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا تناقض (Paradox) یہ ہے کہ مذہب، مسلک، مشرب اور شرک بظاہر 'ابلیس و دجال دشمن' اور بباطن 'ابلیس و دجال دوست' ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ بظاہر 'مسیح و مہدی دوست' اور بباطن 'مسیح و مہدی دشمن' ہوتے ہیں۔

(۱۲) بنی اسرائیل کے اسی تاریخی تناقض (Paradox) کو قرآن نے یوں ظاہر فرمایا ہے:

ولما جاء هم كتاب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاء هم ما عرفوا كفروا به فلعنة الله على الكافرين (البقره ۸۹)

ترجمہ: اور اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے ان کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟ باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی باوجود یہ کہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا

کرتے تھے مگر جب [illegible] آگیا [illegible] نے [illegible] مار

دیا۔خدا کی لعنت ان منکرین پر۔

(۱۳) اسی تناقض کو دوسرے الفاظ میں اس طرح بھی بیان کیا جاسکتا ہے:

''بنی اسرائیل کے مذہبی حکمراں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ طبعاً، مزاجاً اور عادۃً کسی رسول یا مسیح کی غائبانہ تقلید تو کرسکتے تھے لیکن اگر وہی رسول، نبی یا مسیح بنفس نفیس آجائے تو وہ مشائخانہ ان پر ایمان لاتے اور نہ ان کا اتباع کرتے الا ماشاءاللہ۔ بلکہ اکثر حکمرانوں، علماء اور مشائخ کو ان کا مذہبی، مسلکی اور مشربی علم اور اس کے سانچے میں ڈھلا تورع ایسے رسول، نبی یا مسیح کی تکذیب کرنے حتیٰ کہ انھیں قتل کرنے کی جانب لے جاتا''

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد امت مسلمہ محمدیہ میں پیدا ہونے والے اسی مذہبی، مسلکی، مشربی رجحان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خبر دی تھی:

(۱) 'لیاتین علی امتی کما أتی علی بنی اسرائیل حذو النعل با لنعل'
(رواہ الترمذی احمد و ابو داؤد)

ترجمہ: میری امت میں بھی وہی صورتحال طاری ہوگی جیسی بنی اسرائیل پر ہوئی تھی ایک جوتا دوسرے جوتے کی طرح۔

(۲) 'لتتبعن سنن الذین من کان قبلکم شبراً شبراً ذراعاً ذراعاً'۔

ترجمہ: تم (ملا) ان کے نقش قدم پر چل کر رہو گے جو تم سے پہلے ہوئے ایک ایک بالشت ایک ایک ہاتھ۔

(۱۵) چنانچہ ان اخبار و آثار اور امت مسلمہ محمدیہ میں پیدا ہو جانے والے رجحانات کو دیکھتے ہوئے یہ خطرہ پوری طرح حقیقی صورت اختیار کرتا ہوا نظر آرہا ہے کہ امت مسلمہ محمدیہ کے حکمراں، علماء اور مشائخ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی آمد پر ان کے ساتھ وہی سلوک نہ کریں جو بنی اسرائیل کے حکمراں، علماء اور مشائخ نے کیا تھا۔

(۱۶) اس تعلق سے سب سے خطرناک اور ہلاکت خیز وہ رویہ ہے جو گزشتہ چودہ سو سالوں سے 'اصلاح' اور 'تجدید' کے تناظر میں امت مسلمہ کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ کا سامنے آرہا ہے۔ اور یہی امت کا داخلی بحران ہے۔

قریب ترین حادثہ

(۱) 'اصلاح' و 'تجدید' کے تناظر میں اگر اسلامی تاریخ کا دقیق جائزہ لیا جائے تو چند باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں:

(۱) 661 عیسوی کے بعد گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ہر چند کہ امت مسلمہ میں اصلاح کی شدید ترین ضرورت محسوس کی جاتی رہی ـــــ اور

(۲) 'غربا' امت کی اس شدید ترین ضرورت کے پیش نظر اپنی جان ہتھیلی پر لے کر اصلاح کرنے کی سعی کرتے رہے ـــــ لیکن

(۳) ان سب کے باوجود اصلاح کرنے کی یہ ساری کوششیں کلی طور پر ناکام ثابت ہوئیں حتیٰ کہ بڑی سے بڑی اور عظیم الشان سے عظیم الشان کوشش بھی 'شبنم صبح گاہی' سے زیادہ مؤثر اور پائدار ثابت نہ ہو سکی۔ بڑی سے بڑی کوشش ہوئی لیکن دین کی کھیتی لہلہائی نہ زمین سبزہ زار ہوئی حتیٰ کہ معمولی روئیدگی سے بھی محروم رہی۔

(۴) اس ناکامی کا واحد سبب تھا مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کا تاریخی اصلاح مخالف کردار، تعامل اور مزاحمت کا رویہ۔

(۲) اسلامی تاریخ کی اس اندوہ ناک صورتحال کا ادراک آسان نہیں۔ جو حادثہ جتنا قدیم ہے اس کی تفصیلات اسی قدر مفقود اور طاق نسیاں میں دفن ہیں۔ لہٰذا ایسی اندوہ ناک صورتحال کی کسی قدر تفہیم کے لئے یہ عاجز اس حادثہ کا ذکر کرتا ہے جو قریب ترین یا نزدیک ترین اور ابتک کا آخری سب

سے بڑا حادثہ ہے۔ ا[illegible] ہیں یا چند سالوں قبل تک زندہ تھے جنھوں نے سب کچھ ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(۳) امت مسلمہ محمدیہ میں اب تک ہونے والی اصلاح کی آخری عظیم الشان کوشش 1870 سے شروع ہو کر 1938 تک جاری رہی۔ اس عظیم الشان اصلاحی سعی کے دوستون تھے:

(۱) الطاف حسین حالی (1837-1914)

(۲) محمد اقبال (1877-1938)

حالی کو اقبال سے وہی نسبت ہے جو حضرت یحییٰ کو حضرت عیسیٰ سے تھی۔ حالی اور اقبال اسلامی تاریخ میں حقیقی اصلاح کے سلسلۃ الذھب کی اجنک کی آخری کڑی تھے۔

(۴) اگر مرعوبیت اور جہل مرکب کے سحر سے باہر نکل کر کوئی شخص دیکھ سکے تو وہ پائے گا کہ ایسے عبقری انسان گزشتہ پانچ سو سالوں میں چند ہی پیدا ہوئے ہیں۔ ہم نے ان عباقرہ کو اپنے 'ظرف' اور اپنی 'اوقات' پر قیاس کیا بالخصوص ہمارے مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ نے:

(۱) الطاف حسین حالی کے سامنے والٹیر (Voltaire [1694-1778]) گرد راہ بھی نہیں۔

(۲) مارٹن لوتھر (Martin Luther [1483-1546]) کا اقبال سے کیا موازنہ؟

(۵) امت مسلمہ کی حالیہ تاریخ کا اس سے المناک حادثہ کیا ہو سکتا ہے کہ ایسے عبقری اور اولوالعزم ہستیوں کی اصلاح شبنم صبح گاہی سے زیادہ موثر اور پائیدار ثابت نہیں ہوئی۔ یہ کوشش کتنی جامع اور عظیم الشان تھی اور اس کی ناکامی امت کی تاریخ میں کتنا بڑا حادثہ تھی اس کے درست ادراک کے لئے چند حقائق اور احوال کا پیش نظر رہنا ضروری ہے:

(۱) گزشتہ تین سو سالوں میں روئے ارض پر وہ کیا انقلابات اور حوادث رونما ہوئے جنھوں نے ساری ملت اسلامیہ کو ہلا کر رکھ دیا اور اس کا کوئی طبقہ بری طرح متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا؟

(۲) رونما ہونے والے وہ انقلابات و حوادث کس درجہ مہیب، متاثر کن اور ہمہ گیر تھے کہ امت کا ہر طبقہ حتیٰ کہ عام مسلمان بھی سوچنے، سمجھنے، غور و فکر کرنے، اپنے افکار و اعمال کا جائزہ لینے، احتساب کرنے اور اصلاح احوال کے لئے اقدام کرنے کو بے چین ہوا تھا؟

(۳) رونما ہونے والے ان حوادث اور انقلابات کا امت کے کن کن طبقات پر کیسا اور کس درجہ کا اثر مرتب ہوا؟

(۴) رونما ہونے والے ان حوادث اور انقلابات کی ہمہ جہتی، ہمہ گیری اور بے کرانی کس درجہ کی تفکیر، تدبیر اور تعمیل کا تقاضا کرتی تھی؟ اور اس تعلق سے امت کے کس طبقے نے کیا کردار ادا کیا؟

(۵) اس تناظر میں حالی اور اقبال کی کوششوں کی حقیقت کیا تھی؟

(۶) حالی اور اقبال کی کوششوں پر امت کے کس کس طبقے نے کیا ردعمل کا اظہار کیا؟

(۷) حالی اور اقبال کی کوششوں کی ناکامی کے اصل اسباب کیا اور اصلی ذمہ دار کون تھے؟

انقلابات و حوادث

حالی اور اقبال کی عظیم الشان اور عدیم النظیر اصلاح کی حقیقت سمجھنے کے لئے حوادث و انقلابات کا ایک مختصر خاکہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

1699 : معاہدۂ کارلووٹز (Treaty of Karlowitz) ۔ خلافت عثمانیہ کے زوال کا آغاز۔

1707 : اورنگ زیب عالمگیر کی وفات ۔ ترکش مارا خدنگ آخریں کا خاتمہ۔

1716 : پیٹروورادن (Petrovaradin) ۔ یوگوسلاویہ میں ترک فوجوں کو شکست۔

1717 : خیوہ پر روس کا قبضہ، بلغراد ترکوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔

1739 : دہلی پر نادر شاہ کا حملہ، دہلی میں قتل عام، مراٹھا قوت کا عروج جس نے سلاطین دہلی کو کٹھ پتلی بنا کر رکھ دیا۔

1751 : آرکاٹ پر کلایو (Clive) کا قبضہ، جنوبی ہند کے بعض علاقوں پر فرانسیسی ڈوپلے (Dupliex) کا قبضہ، چین کا تبت اور اقصیٰ چین پر قبضہ۔

1757 : پلاسی کی جنگ، سراج الدولہ کی شہادت۔

1760 : مشرقی ترکستان پر چینی قبضہ۔

1761 : پانی پت کی تیسری جنگ، سلطنت مغلیہ کی مراٹھا قوت سے گلو خلاصی۔

1765 : بنگال کی دیوانی پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ۔

http://www.asraralam.net/

1772 : مرانٹھا قوت کا دوبارا عروج، دہلی پر قبضہ۔

1774 : وارن ہسٹنگز پہلا گورنر جنرل مقرر ہوا، خلافت عثمانیہ کو شکست، معاہدۂ کوچک کیناری (Treaty of Kutchak Kainarji) کے تحت روس کے تغلب کو تسلیم کرلیا گیا۔

1775 : روئے زمین پر تقریباً ایک ہزار سال کے بعد 'ارض میثاق' کے قیام کی جنگ کا آغاز، کوبی مقتدرہ کا عظیم اقدام۔

1776 : کوبی مقتدرہ کے ذریعہ روئے زمین پر 'ارض میثاق' کا قیام۔ برطانیہ میں آدم اسمتھ کے ذریعہ Wealth of Nation کی تصنیف واشاعت۔

1779 : جبل الطارق کا محاصرہ۔

1767-92 : میسور کی پہلی، دوسری اور تیسری جنگ۔

1783 : لارڈ کارنوالس کی تقرری، نظام اراضی سے مسلمانوں کی بیک بینی و دوگوش بیدخلی کا آغاز۔

1788 : دہلی پر روہیلہ سردار عبدالقادر کا قبضہ، شاہ عالم بادشاہ دہلی کا اندھا کردیا جانا۔

1789 : کوبی مقتدرہ کے ذریعہ یوروپ میں عیسائی اقتدار کا خاتمہ، انقلاب فرانس، یوروپ میں کوبی مقتدرہ کے ذریعہ دوسرے 'ارض میثاق' کا قیام۔

1789-93 : سارے فرانس میں کوبی مقتدرہ کے ذریعہ کوبی مقتدرہ مخالف افراد کا قتل عام۔

1798 : نپولین بونا پرتے کی سربراہی میں کوبی مقتدرہ کا فلسطین پر قبضہ کے لئے مصر پر حملہ اور قبضہ۔

1799 : سرنگا پٹم کی جنگ، سلطان ٹیپو کی شہادت۔

1770-99 : برطانوی سلطنت کے ذریعہ آستانہ عالیہ اور خلافت عثمانیہ کو کھوکھلا کرنے کے لئے خلیج فارس کے عرب قبائلی سرداروں کے ساتھ سازباز اور معاہدے اور جزیرۃ العرب میں عظیم سازش کا آغاز۔

1800 : گرجستان کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہنا، روس کا قبضہ۔

1804 : دہلی پر براہ راست برطانوی قبضہ۔

1806 : ہولی رومن ایمپائر (Holy Roman Empire) کا باضابطہ خاتمہ، کوہی مقتدرہ کی عظیم کامیابی۔

1806-07 : کوہی مقتدرہ کے ذریعہ نپولین بوناپرتے کی سربراہی میں اٹھارہ سو سال کے بعد پہلی بار کوہی سن ہیدرن (Sanhedrin) کا انعقاد۔

1811 : کوہی مقتدرہ کی عظیم سازش سے قاہرہ میں مملوکوں کا قتل عام۔

1813 : داغستان، آزربائیجان اور گرجستان پر روس کا قبضہ مکمل اور ایران کی شکست۔

1811-18 : آل سعود کی فوج کا جزیرۃ العرب میں خلافت عثمانیہ کے خلاف عسکری کارروائی۔

1822 : کوہی مقتدرہ کے ذریعہ یوروپ میں کانگریس آف ویینا (Congress of Veinna) کا انعقاد۔

1823 : کوہی مقتدرہ کے ذریعہ 'ارض میثاق' کی حفاظت کے لئے منرو ڈاکٹرن (Monroe Doctrin) کا اعلان۔

1826 : کوہی مقتدرہ کی دوسری بدترین سازش کے تحت خلافت عثمانیہ میں 'جاں نثاری' فوج کا قتل عام اور خاتمہ۔

1827 : 'جاں نثاری' فوج کی تباہی کا پہلا نتیجہ برآمد، عثمانی مصری بحری بیڑا تباہ۔

1828 : آرمینیا اور کاراباخ مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتے رہے۔

1830 : الجزائر پر فرانس کا قبضہ۔

1801-31 : شمال مغربی ہندوستان میں سکھوں کا عروج، مسلمانوں کی منصوبہ بند تباہی اور ان پر مظالم۔

1831 : سانحۂ بالاکوٹ، سید احمد اور مولانا اسمٰعیل دہلوی کی شہادت۔

1831 : معاہدۂ کوتاہیہ، خلافت عثمانیہ کا پہلا باضابطہ بکھراؤ۔ محمد علی کو مصر اور شام کا والی تسلیم کر لینا۔

1839 : پہلی افغان۔ برطانیہ جنگ، خلافت عثمانیہ میں کوہی مقتدرہ کی عظیم سازش کامیاب۔ تنظیمات کا اعلان۔

1800-1914 : کوبی مقتدرہ کی بین الاقوامی سازش اور عظیم ایشائی کھیل (The Great Asian Game) کا اہم دور۔

1800-1870 : وسطی ایشیا کے مسلم خانات کا خاتمہ۔ روس اور چین کا قبضہ۔

1847 : سیر دریا پر روس کا قبضہ۔

1773-1880 : ہندوستان کے طول و عرض میں نظام اراضی سے مسلمانوں کی بیدخلی۔ فرائضی تحریک۔

1770-1880 : حبۃ صیہون (Hibbet Zion) تحریک کا آغاز، کوبی مقتدرہ کی فلسطین پر قبضہ کی عالمی سازش کا آغاز۔

1853 : آق مسجد پر روس کا قبضہ۔

1857 : سلطنت مغلیہ کا خاتمہ کرنے کی برطانوی سازش کا آغاز۔

1858 : بے جہت اور غیر منصوبہ بند شورش کی ناکامی، پورے ہندوستان میں بالعموم اور دہلی میں بالخصوص مسلمانوں کا قتل عام اور پھانسی۔ سلطنت مغلیہ کا خاتمہ، ہندوستان میں براہ راست برطانوی سلطنت کا قیام۔

1859 : وسطی ایشیا میں ہر محاذ پر مسلمانوں کو شکست۔ امام شامل کی سپر اندازی۔

1863 : اسمٰعیل پاشا کے برسر اقتدار آتے ہی مصر و شام میں کوبی مقتدرہ کو کھلی چھوٹ۔

1869 : کوبی مقتدرہ کی طویل المدت اور عظیم منصوبہ بندی کے تحت عالم اسلام کو بری طور پر (Territorially) منقسم کر دینے کا آغاز اور نہر سوئز کی تعمیر و افتتاح۔

1876 : خلافت عثمانیہ اور باب عالی میں کوبی مقتدرہ کی عظیم کامیابی۔ تنظیمات کے دوسرے مرحلے کا آغاز، پارلیامنٹ کا قیام۔ وکٹوریہ کے ہندوستان کی 'ملکہ' ہونے کا اعلان۔ ہندوستان میں داخلی ملی اور قومی کشمکش کی برطانوی پالیسی کا آغاز۔ بلقان جنگوں اور ان میں ترکی کی شکست کا آغاز۔

1878 : دوسری افغان۔ برطانیہ جنگ۔

1879 : کوبی مقتدرہ کے ذریعہ مصر میں دوہری حکومت (Dual Control) کا آغاز۔

1881 : تونس کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے جاتا رہنا۔ سوڈان میں مھدی تحریک۔

1882 : کوکبی مقتدرہ کی فلسطین پر قبضہ کی عظیم کارروائی کا آغاز۔ پہلی عالیہ (1882-1903) (FirstAliyyah) کا آغاز۔ اسکندریہ پر برطانوی بمباری، قاہرہ پر قبضہ۔

1884 : سوڈان پر برطانوی حملہ بربریت اور قبضہ۔ کچنر کی بربریت۔ بیرنگ (Baring) کے ذریعہ مصری سلطنت پر قبضہ۔

1887 : ملکہ وکٹوریہ کا جشن سیمیں۔

1897 : یونان ترکی جنگ۔ ملکہ وکٹوریہ کا جشن زریں۔ قیام اسرائیل کے لئے پہلی صیہونی کانفرنس کا باسل میں انعقاد۔

1898 : سوڈان میں مہدی کو شکست۔ ام درمان کی جنگ۔

1900 : کانم اور چاڈ پر برطانوی قبضہ۔

1901-03 : نائجیریا پر برطانوی قبضہ۔

1904 : سائکس۔ پیکو خفیہ معاہدہ (Sykes-Picot Agreement)۔ کوکبی مقتدرہ کی برطانیہ، روس اور فرانس کے ساتھ مل کر خلافت عثمانیہ کے خلاف جنگ کرنے اور شکست دینے کے بعد خلافت عثمانیہ کے خاتمہ اور اس کے بندر بانٹ کی خفیہ سازش۔ دوسری عالیہ (Second Aliyyah) 1904-14 کا آغاز۔

1908 : کوکبی مقتدرہ کی عظیم منصوبہ بندی کے تحت ترکی میں نوجوان ترکوں (Young Turks) کے نام سے خفیہ تنظیم کا قیام۔ بوسنیا، ہرزے گووینا سے ترکی اقتدار ختم۔ ترکی میں مشروطیت کا آغاز۔

1911 : طرابلس کی شکست۔

1913 : یوروپی علاقے میں خلافت عثمانیہ کے خاتمے کا آغاز۔

1914 : کوکبی مقتدرہ کی عظیم منصوبہ بندی کے تحت پہلی عالمی جنگ کا آغاز۔

1916 : فلسطین میں یہودی ریاست کے قیام کے برطانوی عزم کا اعلان۔ بالفور اعلانیہ۔

1917 : کوکبی مقتدرہ کا تیسرا عظیم اقدام۔ تیسرے 'ارض میثاق' کا قیام۔ بالشویک انقلاب روس۔ زار کا خاتمہ اور سوویت یونین کے نام سے تیسرے 'ارض میثاق' کا قیام۔

1918 : خلافت عثمانیہ کی جنگ عظیم میں شکست۔ پہلی جنگ عظیم کا خاتمہ۔

1919-23 : کوبی مقتدرہ کے ذریعہ تیسری عالیہ 1919-23 (Third Aliyyah) کا آغاز۔ کوبی مقتدرہ کے مقاصد کی تکمیل کے لئے پیرس میں کانفرنس کا آغاز۔

1920 : معاہدۂ وارسائی پر دستخط۔ پہلی کوبی عالمی مقتدرہ لیگ آف نیشنز کا قیام۔

1921 : مصر میں وسیع فسادات۔ یونان کا ترکی پر حملہ۔

1923 : خلافت عثمانیہ کا خاتمہ۔ امت مسلمہ محمدیہ میں خلافت کا خاتمہ۔ ترکی جمہوریہ قرار پایا۔ خلافت عثمانیہ کی بندر بانٹ۔

احساس کی شدت

1707 میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد مراکش سے انڈونیشیا تک اور قازان سے موزمبیق تک پوری ملت اسلامیہ کس ہیجان میں مبتلا ہوگئی اور وقت کے گزرنے اور حوادث کے واقع ہونے کے ساتھ ساتھ جس کی ہیجانی کیفیت میں شدت ہی آتی چلی گئی اس کا اندازہ ذیل کے اقوال سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ اقوال محض کسی کا ذاتی خیال یا شاعر کا تخیل نہیں بلکہ فی الواقع پوری ملت اسلامیہ کے احساسات وجذبات اور ان کے اندر اٹھتے ہوئے تموج کے عکاس ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ان حوادث سے عام مسلمان باخبر اور متاثر تھا یا بے خبر۔ اور اگر باخبر تھا تو اس کی روح کس کرب میں مبتلا تھی۔ ان اقوال کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس عہد کی عالمی صورتحال، اس عالمی جیو پالیٹکس (Global Geo-politics) میں سلطنت مغلیہ کے رول اور عالم اسلام میں اس کے وقار کا درست ادراک ضروری ہے۔ آج اور بالخصوص امت مسلمہ کی موجودہ ذہنی صورتحال میں ایسا ادراک حاصل کرنا بہت دشوار ہے تاہم جنھیں اس عہد میں سلطنت مغلیہ کے رول اور مقام کو جاننا ہو وہ کم از کم برنیر (Bernier) سے سرمن (Surman) تک کے سفارتی تعلقات کا جائزہ لے لیں۔ اس کوکبۂ جلال کی آخری کرن کا ادراک فریزر (Fraser) کی بیٹی کی لکھی ہوئی کتاب (The Golden Calm) سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ درج ذیل چند اقوال سے اس ہیجان اور اس میں آتی گئی شدت کا بخوبی ادراک کیا جا سکتا ہے:

(ا) محمد شاہ بادشاہ دہلی:

شامت اعمال ما　　　صورت نادر گرفت

(۲) میر تقی میر:

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاک پا جن کی
انھیں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں

(۳) میر تقی میر:

کیا بود باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روز گار کے
اس کو فلک نے لوٹ کر برباد کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

(۴) مرزا اسداللہ خاں غالب:

ہاں اہل طلب! کون سنے طعنۂ نا یافت
دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے کو ہی کھو آئے

(۵) مرزا اسداللہ خاں غالب:

بیا کہ قاعدۂ آسماں بگردانیم
قضا بگردش رطل گراں بگردانیم

بجنگ باز ستانان شاخساری را
تہی سبد ز در گلستاں بگردانیم

بہ صلح بال فشانان صبح گاہی را
ز شاخسار سوی آشیاں بگردانیم

زحیدریم من وتو زما عجیب نبود
گر آفتاب سوی خاوراں بگردانیم

(۶) مرزا اسداللہ خاں غالب:

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل
زنہار! اگر تمہیں ہوس نائے ونوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

ساقی بہ جلوہ دشمن ایمان و آگہی
مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط
دامان باغبان وکف گل فروش ہے

لطف خرام ساقی وذوق صدائے چنگ
یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

http://www.asraralam.net/

یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں — غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

(۷) مرزا اسد اللہ خاں غالب:

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ

اے نالہ! نشان جگر سوختہ کیا ہے؟

(۸) الطاف حسین حالی:

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ

نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں بھی اب تو

اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز

(۹) بہادر شاہ ظفر:

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا

یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

(۱۰) بہادر شاہ ظفر:

ہے کتنا بد نصیب ظفر دفن کے لئے

دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

پوری ملت اسلامیہ کے لٹ جانے، حیثیت کے فنا ہو جانے اور بے نشان اور بے وقار ہو جانے کے کرب شدید کے احساس کا جو اظہار غالب نے اپنے اس شعر میں کیا ہے اس سے زیادہ دل گداز اور روح فرسا اظہار نہیں ہو سکتا۔

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے؟

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!

اصلاح کی ناکامی

(۱) ایسی کربناک صورتحال میں جو پچھلے ڈیڑھ سو سالوں سے وقوع پذیر ہو رہی تھی ——— 1879 میں حالی نے اپنی بے مثال و بے نظیر نظم 'مد و جزر اسلام الملقب بہ 'مسدس حالی' لکھ کر قوم کو پکارا۔

(۲) یہ عاجز پورے وثوق سے کہتا ہے کہ پوری دنیا کی تمام بڑی تہذیبوں میں گزشتہ پانچ سو سالوں میں عوامی ابلاغ کی ایسی حیرتناک قوت سے بھری ہوئی کوئی دوسری شعری تخلیق نہیں جو مسدس حالی کے مقابلے میں پیش کی جا سکے۔ عوامی ابلاغ کی حیرتناک قوت سے بھری اگر کوئی شعری تخلیق کا اس ذیل میں حوالہ دیا جا سکتا ہے تو وہ صرف تلسی داس کی 'رام چرتر مانس' ہے۔

(۳) واقعات شاہد ہیں کہ حالی کا مسدس شائع ہوا اور مسلمانوں کے دلوں میں آگ لگ گئی۔ شاید ہی کوئی کتاب جنوب مغربی اور جنوب ایشیا میں اتنی مقبول ہوئی ہو۔ اور اس نے اعلیٰ و ادنیٰ کو یکساں طور پر اتنا متاثر کیا ہو۔ مولوی عبدالحق نے لکھا:

"اس کی روانی حیرت انگیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دریا امڈا چلا آ رہا ہے۔ شروع سے آخر تک ایک عجیب تسلسل ہے۔ جس کا تار کہیں نہیں ٹوٹتا اور پڑھنے والے کو ایک لمحے کے لئے بھی رکنے کی نوبت نہیں آتی۔ وہ جوش وہ فراوانی ہے گویا ایک چشمہ ابل رہا ہے۔"

مولوی عبدالحق نے جو کچھ فرمایا ہے اگرچہ درست ہے لیکن ان کا تاثر صرف کتاب کے لسانی اور ادبی پہلو کا احاطہ کر رہا ہے۔ حالی کے مسدس میں ایک بے نظیر خوبی یہ بھی ہے کہ وہ افکار، احساسات اور خیالات کی دنیا میں صرف آگ نہیں لگاتا بلکہ اسے جلا کر راکھ کر دیتا ہے اور اس خاکستر سے ایک نئی دنیا

تخلیق کرنے کا تقاضہ کرتا تھا۔

(۴) حالیؔ 'مفکر' تھے۔ شاعری محض ذریعہ اظہار تھی۔ حالیؔ سرسید اور اقبال کی درمیانی کڑی نہیں تھے۔ وہ غالبؔ اور اقبالؔ کی درمیانی کڑی تھے۔ وہ اس غالب کا نقش ثانی تھے جو مولوی فضل حق کا ہاتھ مسئلہ امتناع نظیر میں اور سرسید کا ہاتھ تقریظ آئین اکبری میں تھام کر فکر کی گہری اور نئی جہتوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ سرسید عبقری تھے لیکن مفکر نہیں تھے بلکہ غیر معمولی مدبر تھے۔

(۵) حالی کو اقبال سے وہی نسبت ہے جو حضرت یحییٰ کو حضرت عیسیٰ سے۔ حالی مسدس کے ذریعہ عوامی ابلاغ کا سیلاب بے پناہ لے کر آئے اور پچھلے ڈیڑھ سو سالوں سے کرب اور ہیجان میں مبتلا امت کی زمین کو زرخیزی سے بھر دیا تا کہ اقبال تفکیر کا دوسرا مرحلہ پورا کریں۔ ظاہر ہے یہ ایک ربانی انتظام تھا۔ اس کا کون انکار کرسکتا ہے۔ 31 دسمبر 1914 کو حالی کا انتقال ہو گیا۔

(۶) جب حالی کے 'مدوجزر اسلام' کی تپش نے مسلمانوں کے دل و جگر کو پگھلا کر موم کر دیا ٹھیک اس وقت اقبال منصۂ شہود پر وارد ہوئے۔ اقبال دوسرا اصاعقہ تھے جس نے دیکھتے دیکھتے نہ صرف جنوب مغربی اور جنوب ایشیا کو بلکہ پوری دنیاء اسلام کو اپنی فکر سے شعلہ بداماں کر دیا۔

(۷) حالی کی تیار کردہ زمین میں اقبال نے زبردست اور عدیم النظیر فکری شجر کاری کی اور ایک فکری انقلاب لا دیا۔ چنانچہ:

(۱)	1915	میں	اسرار خودی	فارسی
(۲)	1918	میں	رموز بے خودی	فارسی
(۳)	1923	میں	پیام مشرق	فارسی
(۴)	1924	میں	بانگ درا	اردو
(۵)	1927	میں	زبور عجم	فارسی
(۶)	1932	میں	جاوید نامہ	فارسی
(۷)	1935	میں	بال جبریل	اردو
(۸)	1936	میں	ضرب کلیم	اردو
(۹)	1936	میں	پس چہ باید کرد	فارسی
(۱۰)	1937	میں	ارمغان حجاز	اردو

شائع ہو کر منصہ شہود پر آئیں۔

(۸) لیکن حالی اور اقبال کی ایسی عظیم الشان کوششوں کے باوجود نتیجہ صفر کے برابر رہا۔ مسلمانوں میں ولولہ پیدا ہوا لیکن بحیثیت مجموعی امت مسلمہ جہاں کی تہاں رہی اور ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آج صرف پچاس سالوں بعد حالی اور اقبال کا امت میں زندہ و تابندہ ہونا تو دور کی بات ہے وہ اس کے آرکائیوز (Archives) کا بھی حصہ نہیں بلکہ یہ دونوں امت کے تاریخی طاق نسیان میں کہیں مدفون ہو کر رہ گئے ہیں۔

آخر ایسا کیوں ہوا؟

(۹) اس عاجز کے نزدیک یہ حادثہ بوجوہ سنگین ترین حادثہ ہے۔ اس نتیجہ تک پہنچنے کے درج ذیل اسباب ہیں:

(۱) حالی کے مسدس کے منظر عام پر آنے سے ڈیڑھ سو سال قبل سے پوری دنیا میں امت مسلمہ پر مصائب، حوادث اور آفات کی شدید بارش ہوتی رہی تھی جنھوں نے پوری امت کو ہلا کر رکھ دیا تھا ــــــ

(۲) مسدس کے منظر عام پر آنے سے لے کر 1938 میں اقبال کی وفات تک امت پر ان مصائب، حوادث اور آفات کا سلسلہ ایک لمحے کی حد تک بھی تھمنے کی بجائے اور شدید ہوتا چلا گیا ــــــ

(۱۰) اس صورتحال میں:

(۱) جب پوری امت ان تمام مصائب، حوادث اور آفات سے پوری طرح باخبر اور اس سے متاثر تھی ــــــ

(۲) جب پوری امت ان تمام مصائب، حوادث اور آفات کے پیش نظر سنبھلنے، متحرک ہونے اور میدان عمل میں آنے کے لئے پوری طرح تیار تھی ــــــ

(۳) جب ان ہولناک مصائب، حوادث اور آفات میں گھری امت میں حالی اور اقبال جیسے فکری روح پیدا کرنے والے اور اصلاح کرنے والے موجود تھے ــــــ

(۴) جب ان ہولناک مصائب، حوادث اور آفات میں گھری مضطرب، متحرک اور آمادۂ عمل امت میں حالی اور اقبال جیسے عبقری مفکرین نے اصلاح کی بھرپور سعی کی۔

(۵) جب امت میں عامۃ المسلمین نے حالی اور اقبال کی فکری اصلاح پر بھرپور اور ٹھوس

ردعمل کا اظہار کیا۔

(۱۰) یعنی بالفاظ دیگر ـــــ موسم موافق، کھیت موجود، کھیت میں زرخیزی موجود، کاشت کار موجود، کاشت کاری کا عزم موجود، کاشتکاری کا عمل موجود ـــــ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر فصل پیدا کیوں نہیں ہوئی؟

تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد صرف ایک ہی سوال پیدا ہوتا ہے:

"امت مسلمہ میں شخص، طبقہ، فکر، ادارہ، عمل، عادت اور طبع کی صورت میں آخر وہ کون سا عامل (Factor) موجود ہے جس نے سب کچھ موجود ہونے اور سب کچھ کئے جانے کے باوجود امت کو معطل کر کے رکھ دیا ہے؟"

(۱۱) حالی کی کوششوں کی ناکامی بالآخر 1923 میں 'الغاء خلافت' پر منتج ہوئی۔

(۱۲) اقبال کی کوششوں کی ناکامی بالآخر 1945 میں 'قیام خلافت ابلیس' اور 1948 میں 'قیام مدنیت دجال اکبر' پر منتج ہوئی۔

ایک جانب وہ ناکامیاں ہیں اور دوسری جانب امت کی حرماں نصیبی کا وہ سلسلہ ہے جو اب تک (2006) ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔

(۱۳) چودہ سو سالوں کی ان پے در پے ناکامیوں کے بعد کسی مزید اصلاح کی سعی لاحاصل کرنے سے قبل ناکامی کی کنہہ کی دریافت ناگزیر ہے۔

(۱۴) لہٰذا آج کا سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ امت میں ایک یا ایک سے زائد وہ کون سے عوامل (Factors) ہیں جو:

(۱) اولاً ـــــ 'اصلاح کے داعیہ' کو امت میں پیدا ہونے ہی نہیں دیتے ـــــ

(۲) ثانیاً ـــــ خارجی فشار یا داخلی صالحیت کے ابھار سے اگر اصلاح کا داعیہ امت میں پیدا بھی ہو جائے تو اسے ایسی عملی اور مؤثر صورت اختیار کرنے نہیں دیتے جس سے اصلاح حقیقت کا جامہ پہن لے ـــــ اور

(۳) ثالثاً ـــــ اگر بوجوہ اصلاح عملی اور مؤثر صورت اختیار کرنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو یہ عوامل اسے سبوتاژ یا مضطرب کر دیتے ہیں اور کسی بھی صورت، کسی بھی حال میں اور کسی بہانے سے اسے نمو پذیر ہونے یا جاری رہنے نہیں دیتے۔

بنیادی عوامل

(۱) یہ عاجز اسلام اور امت مسلمہ محمدیہ کی ایمانی، منصبی، سیاسی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی، قانونی، تعبدی اور روحانی زندگی اور تاریخ اور ان کے فکری، نظریاتی، علمی، عملی اور تعاملی صورتحال اور ان میں کار فرما اصولیت اور عملیت (Dynamics) کے غائر مطالعہ اور ان میں تدبر و تفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ ـــــ امت مسلمہ میں 661 عیسوی سے نو(9) ایسے بنیادی عوامل کار فرما رہے ہیں جن کی مجموعی کارکردگی نے امت مسلمہ کو معطل اور مفلوج محض بنا کر رکھ دیا ہے اور دراصل یہی وہ عوامل ہیں جو کسی 'اصلاح' کو کبھی کامیاب ہونے نہیں دیتے۔

(۲) یہ نو عوامل درج ذیل ہیں:

(۱) مذہبی علماء

(۲) مذہبی مشائخ

(۳) علوم مذہبی

(۴) نصاب تعلیم علوم مذہبی

(۵) کتب نصاب تعلیم علوم مذہبی

(۶) علوم مذہبی کی تعلیم گاہیں

(۷) علوم مذہبی کا طریقۂ تعلیم

(۸) علوم روحانی

(۹) نصاب واشغال روحانی

ان میں اوّل الذکر دو یعنی مذہبی [illegible] عیسوی [illegible] محض ہیں

البتہ بقیہ سات حمل اور عرض ہیں۔

(۳) 661 عیسوی اور 900 عیسوی کے مابین معرضِ وجود میں لائے جانے والے بقیہ سات عوامل یعنی علوم مذہبی، نصاب تعلیم علوم مذہبی، کتب نصاب تعلیم علوم مذہبی، علوم مذہبی کی تعلیم گاہیں، علوم مذہبی کا طریقۂ تعلیم، علوم روحانی اور نصاب واشغال روحانی کا فی الواقع اسلام، قرآن، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ سارے کے سارے عوامل مذکورہ عظیم یہودی سازش، یہودی مداخلت فی الدین اور امت مسلمہ محمدیہ کو 'المحجۃ' سے ہٹا کر اس کی یہودیت سازی (تھوّد) کا نتیجہ ہیں۔

(۴) تحقیق کے بعد اس عاجز کو مذکورہ نو عوامل سے متعلق درج ذیل معلومات حاصل ہوئیں:

(۱) مذہبی علماء: 661 عیسوی کے بعد تقریباً دو سو سالوں تک امت میں علماء کو بے اثر کر کے پوری ملت اسلامیہ میں برساتی کیڑوں کی طرح ہر جگہ ابھر آنے والے مشہور مذہبی علماء میں اکثر دراصل چھپے ہوئے (Crypto) علماء یہود تھے۔

(۲) مذہبی مشائخ: 661 عیسوی کے بعد تقریباً تین سو سالوں تک روحانی شخصیات کی حیثیت سے پوری ملت اسلامیہ میں ہر جگہ ابھر آنے اور مسند ارشاد قائم کرنے والے مشہور مذہبی مشائخ میں اکثر چھپے ہوئے (Crypto) مشائخ یہود تھے۔ بعد میں اس شعبے میں مجوسی، یوگی اور شامانی بھی شامل ہو گئے۔

(۳) علوم مذہبی: اسلام کے خلاف کوفی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلاب معکوس کے ذیل میں یہودیت کو ملی سب سے عظیم الشان کامیابی اسی شعبہ حیات سے متعلق ہے۔

661 عیسوی کے بعد مقتدرہ کی مدد سے اکابر علماء یہود کے ذریعہ انجام دیا گیا سب سے بڑا کارنامہ اسلامی علوم مذہبی کی تشکیل وتدوین ہے۔ اسلام کے مذہبی علوم کا پورا ذخیرہ اکابر علماءِ یہود کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اکابر علماء یہود کی یہ کاوشیں معاندانہ طور پر تو عہد نبوی سے جاری تھیں لیکن انھیں عملی اور قانونی جواز (Practical & Legal Legitimacy) 661 عیسوی میں ملا۔ تحقیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ 700 عیسوی سے ان اکابر علماء یہود نے پوری شدت سے

کام کرنا شروع کیا اور 800 عیسوی آتے آتے انہوں نے اسلام کے تقریباً تمام مذہبی علوم کی تدوین کردی۔ آج امت میں رائج مذہبی علوم کا سارا ذخیرہ دراصل اکابر علماء یہود کا مدون کردہ ہے۔

(۴) نصاب تعلیم علوم مذہبی: 661 عیسوی اور 900 عیسوی کے مابین امت میں رائج تمام نصاب تعلیم علوم مذہبی اکابر علماء یہود کے مرتب، مدون یا تالیف کردہ تھے۔

(۵) کتب نصاب علوم مذہبی: 661 عیسوی اور 900 عیسوی کے مابین امت میں رائج تقریباً تمام کتب نصاب علوم مذہبی بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اکابر علماء یہود کے مرتب کردہ تھے۔

(۶) علوم مذہبی کی تعلیم گاہیں: 661 عیسوی کے بعد علوم مذہبی کی بیشتر تعلیم گاہیں دراصل اکابر علماء یہود کے ذریعہ چلائی جانے والی تعلیم گاہیں تھیں۔ ان میں اکثر تعلیم گاہیں پہلے سے قائم تھیں جب اکابر علماء یہود راتوں رات مسلمان ہوکر علماء اسلام بن گئے تو ان کی تعلیم گاہیں حسب سابق کام کرتی رہیں۔ قائم کی جانے والی نئی تعلیم گاہیں بھی اکثر انھیں علماء یہود کی تھیں۔
661 عیسوی کے بعد یہودیت کا لایا گیا انقلاب معکوس کتنا ہولناک تھا اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک لفظ جسے قران نے علماء یہود کو مطعون، مبغوض، مردود اور مغضوب علیہ قرار دینے کے لئے استعمال کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب کرام جس لفظ کا استعمال اکابر علماء یہود کی خباثت ظاہر کرنے کے لئے کرتے تھے وہی لفظ صرف پچاس سالوں بعد ملت اسلامیہ میں نشان امتیاز اور نشان فخر قرار پایا۔ لوگ اس لفظ اور اس کے متعلقین کا نام احترام سے لینے لگے۔ اور یہ لفظ ہے مَدْرَسَہ۔

قران نے اس لفظ کا استعمال ٹھیک اسی معنی میں کیا ہے جو اس کی اصل روح ہے اور جسے علماء یہود خوب جانتے تھے یعنی:

درس: درس اس عمل کو کہتے ہیں جس کا مفہوم ہے دین اللہ کی عصمت تارتار کرنا۔

مدرسہ: مدراس یا مدرسہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ایسے اعمال ہوتے ہوں جس سے دین اللہ کی عصمت تارتار ہوجائے۔

یہاں جن الفاظ میں اس عاجز نے درس اور مدرسہ کے معنی بیان کئے ہیں وہ ان گہرائیوں کو ظاہر کرنے کے لئے کم سے کم الفاظ کے استعمال کے لئے ناگزیر تھے ورنہ قران نے علماء یہود کی جس خبیث حرکت پر انگلی رکھی ہے اس کا حقیقی مفہوم بیان کرنے کے لئے اور قران کی جامعیت

اور گہرائیوں کو [illegible] ہوں گے۔

قران نے فرمایا:

بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون (آل عمران ۷۹)

(۷) علوم مذہبی کا طریقۂ تعلیم: 661 عیسوی کے بعد اکابر علماء یہود چونکہ راتوں رات علماء اسلام بن کر زندگی کے ہر شعبے کی طرح تعلیم گاہوں کے بھی مالک ہو چکے تھے اس لئے علوم مذہبی کا طریقۂ تعلیم بھی دراصل ان کا وضع کردہ اور نئی پیدا شدہ صورتحال میں یہود کا شتہ مرمہ طریقۂ تعلیم ہے۔

(۸) علوم روحانی: 661 عیسوی میں راتوں رات اکابر علماء یہود کی طرح یہودی اکابر علماء روحانی بھی مسند ارشاد و روحانیت کے مشائخ بن چکے تھے اس لئے یہودی روحانی علوم اب اسلامی روحانی علوم بن کر اپنی جلوہ گری دکھانے لگے۔

(۹) نصاب و اشغال روحانی: 700 عیسوی آتے آتے اکابر یہودی روحانیین نے اسلامی روحانیت کے نام پر وہ سارے نصاب و اشغال داخل معاشرہ کر دیئے جو اب تک یہودیت کے طرۂ امتیاز رہے تھے۔

(۵) 661 عیسوی میں کوکبی مقتدرہ کا لایا گیا انقلاب معکوس اتنا ہولناک تھا کہ ملت اسلامیہ میں قیامت برپا ہوگئی۔ زندگیاں بدل گئیں، آداب بدل گئے، حسن و قبح کے معیار بدل گئے۔ گالیاں القاب بن گئیں، القاب و خطابات گالیاں شمار ہونے لگے۔ اس انقلاب معکوس کی ہمہ گیری کا اندازہ درج ذیل تین الفاظ کے رواج سے لگایا جاسکتا ہے:

(۱) مدرسہ: اس کی حقیقت سے بحث کی جا چکی ہے۔ 661 عیسوی کے بعد یہ لفظ امت مسلمہ میں مفتخر لفظ کی طرح رائج ہوگیا۔

(۲) مذہب: عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا مفہوم تھا آبادی سے باہر جنگل میں رفع حاجت کی جگہ۔

(ملاحظہ فرمائیں: سنن ابوداؤد: کتاب الطهارة باب التخلی عند قضاء الحاجة)

(۳) مراقبہ: اس لفظ کا عربی مبین کے لفظ 'رقب' سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ لفظ یہودیت میں رائج ایک شیطانی روحانی عمل کا نام ہے۔ جس سے آج چودہ سو سالوں بعد بھی امت مسلمہ

واقف نہیں ہوئی۔

(۶) 661 عیسوی میں لایا جانے والا کوبی مقتدرہ کا 'انقلاب معکوس' اور گزشتہ چودہ سو سالوں میں امت مسلمہ پر پڑنے والے اس کے ہولناک اثرات کو سمجھنے کے لئے 'انقلاب معکوس' کے دوران واقع ہونے والے حوادث کا تفحص (Trace-Back) ناگزیر ہے۔

(۷) عہد نبوی میں ابلیسی ـــ دجالی ـــ کوبی مقتدرہ کی ساری توجہ بنیادی طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جان سے مار دینے کی جانب رہی اور انھوں نے اس عنوان سے سینکڑوں بلاواسطہ، بالواسطہ، خفیہ اور اعلانیہ اقدامات کئے۔

(۸) فتح مکہ کے بعد ان کی ساری توجہ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے لئے ایک مہیب انقلاب معکوس (Counter-Revolution) لانے کی جانب ہو گئی جس کا ان کے نزدیک بوجوہ موزوں وقت آچکا تھا۔

(۹) ابلیسی ـــ دجالی ـــ کوبی مقتدرہ کے اس ہولناک انقلاب معکوس کا آغاز نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کے دوران ہو گیا جس نے تقریباً دو سو سالوں میں اسلام اور امت مسلمہ کی بوٹی بوٹی نوچ ڈالی۔

(۱۰) اسلام اور امت مسلمہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کوبی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلاب معکوس کے دو عہد یا دو مراحل ہیں:

(۱) عہد اوّل: مرحلۂ تحریق یعنی حقیقی اسلام کے انہدام کا مرحلہ۔

(۲) عہد دوم: مرحلۂ تشکیل یعنی جعلی اسلام کی تشکیل کا مرحلہ۔

انہدامی مرحلہ

(۱) ابھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے کہ کوبی مقتدرہ نے اسلام کے خلاف انقلاب معکوس (Counter-Revolution) کی خوفناک کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ اس مرحلہ میں ان کا بنیادی مقصد ہر صورت، ہر راہ اور ہر طریقہ کو بروئے کار لا کر اسلام، اسلامی معاشرہ اور امت وسط کو تباہ و برباد کر دینا تھا۔ یہ ایک خالص تخریبی کارروائی تھی۔ وحشیانہ اور ہیجانی تخریبی کارروائیوں میں کسی اصول، توجیہ، ضابطۂ اخلاق اور منہج کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسی تخریبی کارروائی کا مقصد واضح ہوتا ہے لیکن ذرائع سے بحث نہیں ہوتی۔ کچھ بھی کیا جائے جیسے بھی ہو سکے کیا جائے لیکن متعینہ اہداف تک پہنچا جائے۔ اس نقشہ کار کے ساتھ روئے زمین پر کوئی بھی سعی بڑی آسان ہو جاتی ہے بالخصوص ایسے لوگوں اور معاشرے کے خلاف جو اصول اور ضابطۂ اخلاق کے پابند ہوں۔

(۲) اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف کوبی مقتدرہ کی یہ تخریبی کارروائی پوری قوت اور شدت کے ساتھ تقریباً ستر سالوں تک جاری رہی۔ ہر چند کہ اس تخریبی مہم کے تحت کی جانے والی بعض کارروائیاں تقریباً تین سو سالوں تک جاری رہیں اور بعض تو دجال اکبر کے ظہور تک جاری رہیں گی لیکن ابتدائی ستر سالوں تک اسلام اور امت مسلمہ کی تباہی و بربادی کے لئے اٹھایا گیا یہ طوفان پوری قوت سے قیامت ڈھاتا رہا۔

(۳) اس طوفان رستاخیز میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام پر کیا بیتی یہ انسانی تاریخ کا نہایت خونچکاں باب ہے۔ اللہ کے اس دین کی حفاظت اور 'امت وسط' کی منصبی ذمہ داریوں کی

ادائیگی میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کس پامردی، بے جگری، صبر، استقامت اور جانثاری کا ثبوت دیا اور اس سے کس طرح انسانیت رضاء الٰہی کی تکمیل میں کامیاب و سرخ رو ہوئی اس کا پورا علم حساب کے روز سبھوں کو ہو جائے گا۔

(۴) یہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام وہی ہیں جن کے اخلاص، ایفاء عہد، صبر اور استقامت کا ذکر قران نے یوں کیا ہے:

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر و ما بدلوا تبدیلا (الاحزاب ۲۳)

ترجمہ: اہل ایمان میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کئے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا۔ ان میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انہوں نے اپنے رویئے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

(۵) کوبکی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلاب معکوس (Counter-Revolution) کی ان ہولناک انہدامی اور تخریبی کارروائیوں کے کم از کم نو محاور یا پہلو تھے جو درج ذیل ہیں:

(۱) 'الحکم' کی تباہی کا محور
(۲) صحابۂ کرام کے خاتمہ کا محور
(۳) قران کے خاتمہ کا محور
(۴) سنت کے خاتمہ کا محور
(۵) سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتمہ کا محور
(۶) تاریخ دین اللہ کے خاتمہ کا محور
(۷) اسلامی آثار کے خاتمہ کا محور
(۸) عربی مبین کے خاتمہ کا محور
(۹) مقصد دین کے خاتمہ کا محور

(۱) 'الحکم' کی تباہی کا محور:

کوبکی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلاب معکوس کا پہلا ہدف 'الحکم' تھا۔ چنانچہ ان کا پہلا حملہ 'الحکم' پر ہوا۔ 'الحکم' دراصل وہ نظام ہے جس کو قائم کرنے کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف لائے۔ اس نظام کا نمود روئے زمین پر 'خلافت کبریٰ' کہلایا ہے [illegible] اللہ' کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا انتظام۔ دراصل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی روئے زمین پر حقیقی معنی میں 'خلیفۃ اللہ فی الأرض' ہیں اور ان کے اتباع میں اولی الأمر —— خلیفۂ رسول اور پھر اس کے اتباع میں سارے اہل ایمان خلیفۂ خلیفۂ رسول اللہ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کے بعد اسی 'الحکم' پر حملہ کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ اسی ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہونے والے انہدام کی پوری تفصیل بتائی تھی اور اس خطرہ سے نبرد آزما ہونے کی تدبیر اور حکمت عملی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو چیز سب سے پہلے ٹوٹ جائے گی وہ 'الحکم' ہے۔ (بروایت حضرت اُبوامامہ بحوالہ صحیح ابن حبان)

کوبی مقتدرہ نے انقلاب معکوس کے تحت 'الحکم' کے توڑنے کے لئے سب سے پہلا حملہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں کیا۔ یہی وہ حملہ ہے جسے دو ناموں سے جانا جاتا ہے:

(۱) فتنۂ ارتداد

(۲) فتنۂ منع زکوۃ

کوبی مقتدرہ کی جانب سے 'الحکم' کو پارہ پارہ کردینے کی یہ کارروائی داخلی اور خارجی طور پر سینکڑوں جہتوں اور پہلوؤں سے عبارت تھی۔ چنانچہ 661 عیسوی میں کوبی مقتدرہ بالآخر 'الحکم' کو توڑ ڈالنے میں کامیاب ہوگیا۔ روئے ارض پر وہ حقیقی 'خلافت کبریٰ' جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا حضرت مھدی اور حضرت عیسیٰ علیھما السلام کی آمد تک موقوف ہوگئی۔

(۷) صحابۂ کرام کے خاتمہ کا محور:

کوبی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلاب معکوس کی ہولناک کارروائیوں کا دوسرا ہدف تھا ان اشخاص کو زندہ باقی نہ رہنے دینا جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے 'ساتھی' تھے۔ چونکہ یہ حضرات روئے زمین پر خیر و شر کے مابین جاری جنگ کے اصلی سپاہی تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جو اب تک نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں یہ جنگ لڑ چکے تھے اور اب بھی برسر پیکار تھے۔ دراصل یہ وہ لوگ تھے جو اس جاری معرکۂ خیر و شر کی تمام باریک اور دقیق باتوں اور نزاکتوں کا حقیقی علم رکھتے تھے۔ ایسے لوگوں کی موجودگی میں دین اللہ اور امت وسط کے تار و پود بکھیر دینا چنداں آسان نہ ہوتا۔ چنانچہ ان کا خاتمہ لازمی

قرار پایا اور اس مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کی کارروائی کی گئی جن میں خفیہ قتل (Assassination) سے لے کر قتل عام (Mass Killing) سبھی شامل تھے۔

کوبی مقتدرہ کی ان ہولناک کارروائیوں کا قیامت خیز دور قتل عام حرہ (683) اور شہادت عبداللہ بن الزبیر (683) پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جاری رہنے والا دور دراصل صفائی کی کارروائی (Mopping up Operations) کا دور تھا۔ قتل عام حرہ اور شہادت عبداللہ بن الزبیر پر جا کر ختم ہونے والی کارروائیوں کے درج ذیل ابواب ہیں:

(۱) خاتمۂ ارواح اربعہ:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوبی مقتدرہ کا سب سے پہلا ہدف چار اصحاب بنے ـــــ ابوبکر، عمر، عثمان اور علی۔ ان میں اوّل الذکر کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پونے دو سال کے اندر اندر انتقال ہو گیا۔ بقیہ تینوں اشخاص بالآخر شہید کر دیئے گئے۔

(۲) خاتمۂ عشرہ مبشرہ:

ارواح اربعہ کے بعد کوبی مقتدرہ کی انقلاب معکوس کی کارروائیوں کا دوسرا ہدف اس فہرست کے باحیات لوگوں کا خاتمہ کرنا تھا۔ یہ چھ اشخاص درج ذیل تھے:

(۱) عبدالرحمٰن بن عوف

(۲) زبیر بن عوام

(۳) طلحہ

(۴) سعد بن ابی وقاص

(۵) ابوعبیدہ الجراح

(۶) سعید بن زید

ان میں زبیر بن عوام اور طلحہ شہید کر دیئے گئے۔ ابوعبیدہ الجراح وباء میں شہید ہوئے۔ سعید بن زید اور عبدالرحمٰن بن عوف گوشہ نشیں ہو کر وفات پا گئے۔ سعد بن ابی وقاص طویل گوشہ نشینی کے بعد سب سے آخر میں فوت ہوئے۔

(۳) خاتمہ اصحاب بدر: عشرہ مبشرہ کے بعد انقلاب معکوس کی کارروائیوں کا تیسرا بڑا ہدف اصحاب بدر کا خاتمہ کرنا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت

میں ملائکہ کے ساتھ مل کر معرکۂ خیر وشر کی عظیم الشان لڑائیوں میں حصہ لیا تھا۔ چنانچہ کوکبی مقتدرہ نے فتنۂ شہادت عثمان برپا کیا۔ 656 عیسوی سے لے کر 661 عیسوی تک برپا اس فتنہ نے صرف پانچ سالوں میں اس وقت تک باحیات اصحاب بدر کی ننانوے فیصد تعداد کی جان لے لی۔ شہادت علی (661) تک ننانوے فیصد بدری صحابہ ختم ہو چکے تھے۔

(۴) خاتمۂ اہل مرط:

اصحاب بدر کے بعد کوکبی مقتدرہ کے انقلابِ معکوس کی کارروائیوں کا چوتھا ہدف تھا اہل مرط کے باحیات افراد کا خاتمہ۔ یہ اہل مرط ہیں جو تاریخ میں اہل کساء کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ابو محمد الحسن 669 عیسوی میں اور ابو عبداللہ الحسین 680 عیسوی میں شہید کر دیئے گئے۔

(۵) خاتمۂ اصحاب بیعت رضوان:

کوکبی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلابِ معکوس کی کارروائیوں کا پانچواں ہدف تھا اصحاب بیعت رضوان کے باحیات لوگوں کا خاتمہ کرنا۔

چنانچہ 683 عیسوی میں حرہ کا قتل عام کیا گیا اور پھر اسی سال مکہ اور کعبۃ اللہ میں قتل عام کیا گیا جس میں اصحاب بیعت رضوان میں تقریباً ننانوے فیصد اشخاص شہید ہو گئے۔

انقلابِ معکوس کی ہولناک سازش کی ان کارروائیوں میں شہادت عثمان (656) سے شہادت عبداللہ بن زبیر (683) تک کی مدت میں یعنی صرف ستائیس سالوں میں ـــــ اسلام کی گہرائیوں سے باخبر تقریباً تمام لوگوں کو ختم کر دیا گیا۔

(۸) قران کے خاتمہ کا محور:

کوکبی مقتدرہ کے انقلابِ معکوس کی کارروائیوں کا تیسرا محور تھا ـــــ قران کا خاتمہ۔ یہ سازش جتنی گہری اور ہولناک تھی اسی قدر دانش ورانہ طور پر سوچی سمجھی، منصوبہ بند اور ہمہ جہت۔ کوکبی مقتدرہ کی اس کارروائی کا آغاز بھی فتح مکہ کے بعد ہو گیا تھا تاہم سازش منصۂ شہود پر حجۃ الوداع کے بعد آئی۔ سازش کا یہ محور نہایت پیچیدہ اور ہمہ جہت ہے جس کی وضاحت کے لئے سینکڑوں صفحات ناکافی ہیں تاہم ذیل میں صرف اہم ترین امور درج کئے جاتے ہیں۔

ایک جانب قران کو روئے زمین سے مٹا دینے اور دوسری جانب اسے محفوظ رکھنے کی کشمکش کے تین پہلو ہیں:

(۱) قران کا خاتمہ کرنے کی کوہی مقتدرہ کی سازش کا پہلو

(۲) قران کی حفاظت کرنے کی مخلصین کے مساعی کا پہلو

(۳) قران کی حفاظت کرنے کے ربانی انتظام کا پہلو

قران کو روئے زمین سے ختم کردینے کے لئے کوہی مقتدرہ نے اپنی پوری طاقت جھونک دی۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس حوالے سے ان کی کارروائیاں حجۃ الوداع کے بعد پوری شدت سے جاری ہو چکی تھیں۔ کوہی مقتدرہ کی اس بدترین سازش کو درج ذیل ابواب میں منقسم کیا جاسکتا ہے:

(۱) حاملین علم قران کا خاتمہ:

اس عنوان کے تحت کوہی مقتدرہ کی کارروائیوں کو دو حصوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے:

(۱) اصلی حاملین علم قران کا خاتمہ۔

(۲) جعلی حاملین علم قران کا معاشرہ میں تعارف، اشتہار اوران کی قبولیت کی مہم۔

ایک ہمہ گیر، منصوبہ بند اور دانش ورانہ سازش کے تحت یہ دونوں کارروائیاں 631 سے شروع کی گئیں جن کا علم اکابر امت کو بہت جلد ہوگیا۔ یہی وہ سازش تھی جس کے سدباب کے تعلق سے اس اقدام کا ذکر آتا ہے جسے تاریخ اسلام میں 'جمع قران' کا نام دیا گیا۔ لیکن یہ سازش غیر معمولی اور وسیع الاطراف تھی اور اس کے جواب میں کی گئی انسدادی کارروائی ناکافی۔ چنانچہ باوجود اس انسدادی کارروائی کے اس سازش نے کم از کم پہلے حصے میں یعنی 632-633 کے دوران غیر معمولی کامیابی حاصل کرلی۔ اہل الحل والعقد کے آگاہ ہوتے ہوتے اس سازش کے تحت بڑی تعداد میں ان افراد کا خاتمہ کردیا گیا جو حاملین علم قران ہونے کے اعتبار سے فائق تھے۔ یہ کارروائی کم از کم تین سال پوری شدت سے جاری رہی۔

(۲) مصحف کا خاتمہ:

قران کے خاتمہ کی سازش کی پہلی باڑھ کے بعد دوسری باڑھ ماری گئی۔ اس بار کوہی مقتدرہ برق رفتاری سے اور نہایت خطرناک حکمت عملی کا استعمال کرتے ہوئے حملہ آور ہوا۔ یہ دوسری حکمت عملی نہایت پیچیدہ اور دوررس نتائج کی حامل ثابت ہوئی۔ اس حکمت عملی کے تحت کئے گئے کاموں کے اثرات بہت تاخیر سے معاشرے میں ظاہر ہوئے اور بہت دیر تک بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والے ثابت ہوئے۔ کوہی مقتدرہ نے اس دوسری حکمت عملی کا آغاز 634 عیسوی میں

حضرت ابوبکر کے آخری ایام خلافت میں کیا۔ اس حکمت عملی کے دو پہلو تھے:

(۱) قران (اصلی اور منزل من اللہ) کا خاتمہ کرنے کی کوشش۔

(۲) قران (جعلی یا کوبی مقتدرہ کا متصرف Manufactured) کا اجراء اور اس کی اشاعت کی کوشش۔

اس حکمت عملی کے پہلے جز کے تحت ان لوگون کا خاتمہ کیا جاتا رہا جو قران سے واقف تھے۔ دوسرے جز کے تحت امت مسلمہ میں منصوبہ بند طریقہ سے ایسے علماء یہود داخل کیے گئے جو امت کے درمیان ظاہر ہو کر جعلی قران پھیلا سکیں۔ اس سازش کے خلاف انسدادی کارروائی کا آغاز خلیفۂ اوّل ابوبکر نے فی الفور کیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ خلیفۂ دوم عمر بن خطاب نے اپنے عہد خلافت میں خلیفۂ اوّل کی کارروائی پر نظر ثانی کی اور انسدادی کارروائی کے دائرہ کار کو بڑھاتے ہوئے اپنی کارروائی کی۔ خلیفۂ اوّل اور خلیفۂ دوم کی انسدادی کارروائی کا اصل مقصد بنیادی طور پر سازشی لوگوں کی شناخت کر کے اس سازش کو ناکام بنا دینا نظر آتا ہے جو بڑی تیزی سے اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے داخل اسلام ہو رہے تھے۔ ایسا کہا جا سکتا ہے کہ اس کارروائی کا بنیادی میکانزم چھاننا اور چھانٹنا (Screening cum Cleansing) تھا۔ اس کا ایک اور پہلو بھی نظر آتا ہے جس کا تعلق مخلصین امت سے تھا۔ یعنی امت میں قران کی ترویج، اشاعت اور اس کا مذاکرہ تاکہ کوئی سازشی عام مسلمانوں اور بالخصوص دور دراز کے لوگوں میں قران کے نام پر کچھ اور باتیں نہ پھیلا دے۔ اسی سہ ابعادی (Three-Dimensional) انسدادی کارروائی کا ایک پہلو حضرت حفصہ کے پاس قران کے ایک مصحف کا محفوظ رکھنا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت عمر عبقری، مفکر، مدبر، دانش ور، کثیر العلومی صلاحیتوں کے حامل (Multi-Disciplinarian) اور آفاقی تناظر رکھنے والے (Global & Transnational visionary) انسان ہونے کے ساتھ غیر معمولی منتظم تھے۔ چنانچہ ایسا لگتا ہے کہ ان کی ہمہ جہت کارروائیوں نے متعلقہ قوتوں کو ششدر کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے حضرت عمر کو ہر قیمت پر شہید کر ڈالنے کی ٹھان لی اور بالآخر شہید کر دیا (644)۔ حضرت عمر کے شہید ہوتے ہی فاروقی کارروائیاں یکسر زمین بوس ہو گئیں اور بالکل نئے حالات پیدا ہو گئے۔

(۳) مکتوب قران کا خاتمہ:

کو کبی مقتدرہ کے ذریعہ قران کا خاتمہ کرنے کی ہمہ جہت کارروائی حضرت عمر کی شہادت کے فوراً بعد بوجوہ پہلے کے مقابلہ میں دس گنی شدت سے پھر جاری ہوگئی۔ یہودی علماء کی پوری فوج جو بظاہر اسلام میں داخل ہو چکی تھی لیکن حضرت عمر کے انسدادی انتظام کے سبب خراماں خراماں اور نہایت خفیہ طور پر کام کر رہی تھی یکا یک پوری جولانی سے متحرک ہوگئی۔ چنانچہ دیکھتے دیکھتے اس سازش کی چھ جہتیں ہوگئیں:

(۱) پہلی جہت: قران کے نام پر داخلی جہت سے جعلی یا مصرف قران (Manufactured) کی اشاعت کی کوشش۔

(۲) دوسری جہت: جعلی قران کی سازش کو خود افشا (Leak out) کر کے حضرت عثمان کو 'حفاظت قران' کی کارروائی کرنے کے لئے آمادہ کرنا۔

(۳) تیسری جہت: حضرت عثمان کے ذریعہ 'حفاظت قران' کے حوالے سے کی جانے والی کارروائی کو جاری رہنے دینا۔

(۴) چوتھی جہت: حضرت عثمان کو واسطہ بنا کر 'صحیفۂ حفصہ' کے حصول کو ممکن بنانا اور اسے حاصل کر کے تباہ کر دینا۔

(۵) پانچویں جہت: حضرت عثمان کو واسطہ بنا کر 'حفاظت قران' کے تعلق سے کی جانے والی کارروائی کے نام پر پوری ملت میں پائے جانے والے مصاحف یا اجزاء کو جمع کرنے کی اتھارٹی حاصل کرنا، ان اجزاء اور مصاحف کو جمع کرنا اور پھر انھیں جلا ڈالنا۔

(۶) چھٹی جہت: بعد میں حضرت عثمان کے اصلی صحیفہ کو بھی تباہ کر دینا۔

حالات وواقعات کی تحقیق کرنے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایسی سازش صرف خارج سے قطعاً روبہ عمل لائی نہیں جاسکتی۔ ایسی سازش خارج کے ساتھ ساتھ اندرون خانہ بارسوخ اور بااثر کار پردازوں اور ایجنٹوں کے ذریعہ ہی انجام دی جاسکتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کا عہد آتے آتے (644) خلافت کی انتظامیہ میں کو کبی مقتدرہ کس قدر دخیل ہو چکا تھا۔ بنیادی طور پر اس کارروائی کے دو ایسے محور تھے جو اتھارٹی کے بغیر انجام نہیں پاسکتے تھے:

(۱) 'صحیفۂ حفصہ' کا حصول ——— اور

(۲) ... مصاحف' اور اجزاء کو جمع کرنا اور

انھیں جلا ڈالنا۔ سازش کرنے والوں کو علم تھا کہ اگر حضرت عثمان کو قتل کی سازش کی ذرا سی بھی بھنک پڑ گئی تو سازش ناکام ہو جائے گی۔ لیکن دوسری طرف انھیں اعتماد میں لئے بغیر مطلوبہ اتھارٹی کا حصول ناممکن تھا۔ یہی سبب ہے کہ سازش کرنے والوں کے ذریعہ اتنا طویل اور گھماؤ دار راستہ اختیار کیا گیا جنھیں چھ جہتوں کے تحت ملخص کیا گیا۔

حالات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سازش پوری طرح کامیاب ہوگئی۔ 'صحیفۂ حفصہ' حاصل کر کے جلا ڈالا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ خلافت اسلامیہ کے طول و عرض میں ہڈی، چمڑا، لکڑی، درخت کے پتوں، کاغذ، کپڑے اور الواح پر لکھے قران اور اس کے سارے اجزاء بھی۔

تحقیق سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت عمر کا ترتیب دادہ 'صحیفہ حفصہ' ان کی انسدادی کارروائی کا اہم جز تھا۔ تحقیق اس رمز (Mystery) کی جانب بھی متوجہ کرتی ہے جس کے تحت

(۱) صحیفۂ ابی بن کعب

(۲) صحیفۂ عبد اللہ بن مسعود

(۳) صحیفۂ ابو موسیٰ اشعری اور

(۴) صحیفۂ مقداد بن عمرو کو اس 'صحیفۂ حفصہ' سے داخلی اور خارجی، انتظامی اور عبارتی نسبت تھی۔ 'صحیفۂ حفصہ' کو صدر کی حیثیت حاصل تھی جسے عام لوگوں کی دسترس سے محفوظ بنایا گیا تھا اور جس 'صحیفہ' تک صرف خلیفۂ وقت کی رسائی تھی۔

'صحیفہ حفصہ' کی تباہی کے بعد جسے 'صحیفۂ ابو بکر و عمر' یا 'صحیفۂ عمر' یا 'صحیفۂ زید بن ثابت اوّل' بھی کہا جا سکتا ہے وہ کلید گم ہوگئی جس کے ذریعہ قران کی حفاظت کا نظم کیا گیا تھا۔ اس کلید کے گم ہوتے ہی صحیفۂ ابی بن کعب، صحیفۂ عبد اللہ بن مسعود، صحیفۂ ابو موسیٰ اشعری اور صحیفۂ مقداد بن عمرو کی باہمی تطبیق بھی رخصت ہوگئی۔

بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ تفصیلات کا تجزیہ اس نتیجہ تک پہنچاتا ہے کہ حضرت عثمان سے اتھارٹی حاصل کر کے دو کام شروع کیے گئے۔ پہلا علانیہ سرکاری کام جس کے ذریعہ حضرت عثمان

کو بظاہر مطمئن رکھنے کا نظم کیا گیا۔ علانیہ اور نہایت اہتمام سے کیا جانے والا یہ سرکاری کام نہایت معتبر افراد کی نگرانی میں انجام دیا جانے لگا جن پر نہ صرف حضرت عثمان کو اعتماد تھا بلکہ تمام اکابر امت کو ان پر اعتماد تھا۔ ایسے افراد میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) زید بن ثابت

(۲) عبداللہ بن زبیر

(۳) سعید بن العاص

(۴) عبدالرحمٰن بن حارث

حالات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ اس علانیہ سرکاری کام کے بالکل متوازی وہ اصل 'خفیہ کام' بھی شروع کیا گیا جو سازش کا اصل مقصود تھا۔ یہ خفیہ کام عبقری علماء یہود انجام دے رہے تھے۔ جب مذکورہ قابل اعتبار لوگوں کے ذریعہ سرکاری صحیفہ تیار ہو گیا تو اسے خلیفۂ وقت کو اشاعت و ارسال کی منظوری کے لئے پیش کیا گیا۔ ایسا لگتا ہے کہ جب اس سرکاری صحیفہ کو منظوری اور اس کے نقول تیار کر کے خلافت کے مختلف علاقوں میں بھجوانے کی اجازت مل گئی تو اس سرکاری صحیفہ کو خلیفہ کے معائنے کے لئے مدینہ میں محفوظ رکھ دیا گیا اور خفیہ طور پر تیار کردہ کم از کم تین نسخے دور دراز کے ان تین بدنام زمانہ مقامات ——— دمشق، کوفہ اور بصرہ کو روانہ کر دیئے گئے اور اس کی تاکید کر دی گئی کہ جلد از جلد وہاں ان کے نقل لوگ تیار کر لیں اور ان نقول کے علاوہ سارے قران کے صحائف اور اجزاء عمال اپنی نگرانی میں جلوا دیں۔ اسی بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ علانیہ سرکاری نسخہ مدینہ میں 'محفوظ' ہاتھوں میں رکھ لیا گیا اور ٹھیک اسی زمانے میں یکساں نظر آنے والے مصرف (Manufactured) نسخے 'صحیفۂ عثمانی' کے نام سے دور دراز کے تین بدنام زمانہ مقامات پر منصۂ شہود (Surfaced) پر آئے۔ جن کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ سرکاری طور پر مستند نسخے ہیں۔ ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ علانیہ سرکاری نسخہ حضرت عثمان کی شہادت پاتے ہی ضائع کر دیا گیا یا کہیں اور منتقل کر دیا گیا۔ اس طرح وہ صحیفہ بھی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا جسے 'صحیفۂ زید بن ثابت دوم' کہا جا سکتا ہے۔ حالات کا تجزیہ کرتے وقت اس بات کے بھی ثبوت ملے ہیں جس میں ایسا شک کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے کہ قتل عام حرہ اور مدینہ کی تین دن تک لوٹ (683) اور دو [illegible] (683) کے بڑے مقاصد میں سے ایک ان نسخوں کو بھی تباہ کرنا ہو سکتا ہے

جواب صرف مدینہ اور مکہ میں باقی بچے تھے اور بصرہ، دمشق اور کوفہ میں رائج نسخوں کے جعل کو ظاہر کر سکتے تھے۔

(۴) قرأت قران کا خاتمہ:

حضرت عثمان کی شہادت (656) پاتے ہی پوری خلافت اسلامیہ میں افراتفری کا دور شروع ہوا جس میں کوبکی متقدرہ کو قران کے خاتمے کی کوشش کو مزید وسیع وعریض کرنے کی کھلی چھوٹ مل گئی۔ چنانچہ حالات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ اس افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے تین کام پوری قوت کا استعمال کرتے ہوئے خلافت اسلامیہ کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کرڈالے:

(۱) علانیہ سرکاری صحیفہ عثمان کا خاتمہ

(۲) نام نہاد سرکاری صحیفہ عثمان کی اشاعت

(۳) نام نہاد سرکاری صحیفہ عثمان میں باقی ماندہ کاموں کی انجام دہی۔

اول الذکر کام سب سے پہلے انجام دیا گیا۔ اس کے بعد ثانی الذکر۔ جس طرح حضرت عثمان کے عہد خلافت میں مروان بن حکم کی نگرانی میں علماء یہود نے قران میں تصرف کے کام انجام دیئے اسی طرح عبد الملک بن مروان کے عہد خلافت میں زیادہ بے باکی سے حجاج بن یوسف ثقفی کی نگرانی میں باقی ماندہ کام پورے کر لئے گئے۔

تحقیق سے یہ بات تقریباً پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ باقی ماندہ کام اصلاً 'جعلی قراءت قران' کا اجراء تھا۔

(۵) احرف قران کا خاتمہ:

خلافت اسلامیہ اور امت مسلمہ میں جس طوفانی تبدیلی کا آغاز 661 میں ہوا تھا وہ 750 آتے آتے تقریباً پوری ہو چکی تھی۔ مسلم معاشرہ پوری طرح تبدیل ہو چکا تھا۔ صحابہ کے نشانات اور اثرات پوری طرح مٹائے جا چکے تھے۔ اس تبدیلی کو اس طرح ملخص کیا جا سکتا ہے:

(۱) صحابہ کرام اور اصل حاملین قران وسنت شہید کئے جا چکے تھے یا بے انتہا اور ناقابل بیان دہشت زدہ حالت میں گوشہ نشیں رہتے ہوئے عمر طبعی کو پہنچ کر فوت ہو چکے تھے۔ اکا دکا صحابہ کو چھوڑ کر اکثر کو شہید یا فوت ہوئے اسی سال گزر چکے تھے۔

(۲) ان اسّی (80) سالوں میں ملت اسلامیہ ایک کاٹ کھانے والی بادشاہت (ملکا عاضاً) کی ہیبت کی حکمرانی (Reign of Terror) کے تحت زندگی گزارنے کی عادی ہو چکی تھی۔

(۳) نئے نظام کے مراکز کو جزیرۃ العرب سے باہر منتقل ہوئے اسّی سال ہو چکے تھے۔ جزیرۃ العرب بالعموم اور مکہ اور مدینہ بالخصوص نظام مخالف لوگوں کے اڈے قرار دیئے جانے کے بعد پوری طرح ویران بنائے جا چکے تھے۔ زندگی کی گہما گہمی دمشق، کوفہ، بصرہ اور مصر منتقل ہو چکی تھی۔

(۴) انتظامیہ، عدلیہ، فوج، شعبۂ تعلیم، تجارت اور حرفت میں جزیرۃ العرب کے باہر کے نومسلم چھا گئے تھے۔ یہ نومسلم 661 عیسوی سے قبل کے اسلام سے واقف تھے اور نہ انھیں کوئی ایسا ذریعہ میسر تھا کہ واقف ہو پاتے۔

ان حالات میں کوہی مقتدرہ کو اپنی سازش کی تکمیل کے لئے میدان صاف مل گیا۔ چنانچہ ان نئے حالات میں اس نے زیادہ جری ہو کر کام انجام دینا شروع کئے۔ اس امر کے دو پہلو تھے:

(۱) اصلی احرف قران کے خاتمہ کی کوشش۔

(۲) جعلی احرف قران کے اجراء اور اس کی اشاعت کی کوشش۔

واقعات کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود نے یہ کام 750 عیسوی اور 800 عیسوی کے دوران انجام دیئے۔ اوپر بیان کردہ حالات میں اوّل الذکر کام انجام دینا ہی دونوں مقاصد کی تکمیل کے لئے کافی ہوتا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۶) مرسوم الخط کا خاتمہ:

قران کے خاتمہ کرنے کے حوالے سے عبقری علماء یہود کے ذریعہ جو آخری کام انجام پذیر ہوا وہ تھا ـــــ مرسوم الخط کا خاتمہ۔ چنانچہ اس مرحلے میں قران کے اس مرسوم الخط تک کا خاتمہ کر دیا گیا جو عبدالملک بن مروان کے عہد میں نام نہاد 'قراءت' کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔

(۹) سنت کے خاتمہ کا محور:

اسلام ـــــ دین اللہ ـــــ کے خلاف کوہی مقتدرہ کے انقلابِ معکوس کی کارروائیوں کا چوتھا ہدف تھا نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی 'سنت' کا خاتمہ۔ یہ سازش جتنی ہولناک تھی اسی قدر ہمہ جہت

اور وسیع الاطراف بھی۔ سنت رسول اللہ کو ختم کر دینے کی کوششوں کا محاذ ان محاذوں میں سے ایک تھا جہاں عبقری علماء یہود نے اپنی بڑی فوج لگا رکھی تھی اور اپنی طاقت کا بڑا حصہ جھونک دیا تھا۔ اس عظیم اور ہولناک سازش کو درج ذیل نکات میں ملخص کیا جاسکتا ہے:

(۱) اصلی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹا دینا:

یہ کوئی معمولی ہدف اور چھوٹا کام نہیں تھا۔ لہٰذا ہر چند کہ کوہی مقتدرہ اس جانب وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (632) سے ہی کوشاں تھا لیکن اس کی اس سازش کا طوفانی دور حضرت عمر کی شہادت کے بعد شروع ہوتا ہے جو 661 عیسوی میں نقطۂ عروج پر پہنچ گیا۔ 680 عیسوی آتے آتے سنت کو ختم کرنے کی مہم کی جولانی بے پناہ اور ہمہ گیر ہو چکی تھی۔ اس حوالے سے اس نے درج ذیل انہدامی کارروائیاں کیں جن کا مقصد وحید تھا امت مسلمہ کو 'سنت رسول' سے محروم کر دینا۔

اس ہولناک مشن کے اہم عنوانات درج ذیل ہیں:

(۱) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گہرائیوں اور اس کے علل کے جاننے والوں کا خاتمہ کرنا،

(۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مخلصانہ عمل کرنے والوں کا خاتمہ کرنا،

(۳) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکیر کرنے والوں اور تذکیر کرنے والے آثار کا خاتمہ کرنا،

(۴) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تحریروں اور مکاتیب کا خاتمہ کرنا،

(۵) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل باضابطہ مدون کتابوں کا خاتمہ کرنا،

(۶) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل 'مخزونۂ عظیم' Magnum Opus / Magnum Repositorium / Sacramentum Mundi کا خاتمہ کرنا۔

(۲) 'جعلی سنت' یعنی حدیث کی ترویج کرنا:

یہ ہدف پہلے ہدف سے زیادہ بڑا، زیادہ پیچیدہ، وسیع الاطراف اور دانشورانہ تھا۔ اس عاجز کی تحقیق کے مطابق روئے زمین پر اس سے بڑی، اس سے زیادہ شاطرانہ اور اتنی عظیم الشان دانشورانہ کوئی دوسری سازش تاریخ انسانی میں پائی نہیں جاتی۔ اس عظیم الشان سازش کے درج

ذیل اہم نکات ہیں:

(۱) 'جعلی سنت' کی تعلیم وترویج کے لئے وضع حدیث کرنا،

(۲) 'جعلی سنت' کی تقویت کے لئے وضع اسناد کرنا،

(۳) 'جعلی سنت' کی تقویت کے لئے اسناد کو حدیث میں مدغم کرنا،

(۴) 'جعلی سنت' کی ترویج کے لئے حدیث مع اسناد کی تدوین کرنا،

(۵) 'جعلی سنت' کی ترویج کے لئے مدون حدیث مع اسناد کی تحفیظ کرنا،

(۶) 'جعلی سنت' کی ترویج کے لئے محفوظ احادیث کی روایت کا اجراء کرنا،

(۷) 'جعلی سنت' کی ترویج کے لئے معاشرے میں محفوظ و مروی احادیث کی روایت کا اجراء کرنا،

(۸) 'جعلی سنت' کی ترویج کے لئے تعلیم وتعلم حدیث کا اجراء کرنا،

(۹) 'جعلی سنت' کی ترویج کے لئے تعلیم وتعلم حدیث کے لئے مدارس قائم کرنا،

(۱۰) 'جعلی سنت' کی ترویج کے لئے باضابطہ تدوین حدیث کی عظیم الشان تاریخی مہم کا آغاز کرنا۔

(۳) انقلابِ معکوس کے تحت کوبی مقتدرہ کا برپا کردہ عظیم الشان دانشورانہ طوفان ــــــــ بلا روک ٹوک 850 عیسوی تک کام کرتا رہا۔ چنانچہ اس عدیم النظیر اور فقید المثال دانشوارانہ سازش نے روئے ارض پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں بکھیر دیا۔ 850 عیسوی آتے آتے بہت دیر ہو چکی تھی۔ یہی وہ المناک اور اندوہ ناک حادثہ ہے جس کی خبر آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دی تھی:

(۱) ما افسد الناس من بعدی من سنتی (رواہ الترمذی)

(۲) من احییی سنة من سنتی قد امیتت بعدی

(۱۰) سیرت رسول اللہ کے خاتمہ کا محور:

کوبی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلابِ معکوس کی ہولناک انہدامی کارروائیوں کا پانچواں ہدف تھا سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمہ۔ اس کارروائی کا بنیادی مقصد امت مسلمہ محمدیہ کو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی تفصیلات، آثار اور ثبوت سے پوری طرح محروم کر دینا تھا۔

محاذ ان چند محاذوں میں سے ایک تھا جہاں کوبکی مقتدرہ کی سازش بلا روک ٹوک اور طوفانی رفتار سے آگے بڑھی اور کامیاب ہوگئی۔ یہ سازش کامیاب ترین سازشوں میں سے ایک ہے۔ تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ 900 عیسوی آتے آتے امت سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوے فیصد (90%) تفصیلات، آثار اور ثبوت سے محروم ہو چکی تھی۔ اس سازش کی ہمہ جہت کامیابی کا ہی نتیجہ ہے کہ:

(۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھانوے فیصد آثار ختم ہو چکے ہیں اور باقی بچے دو فیصد آثار پچھلے چودہ سو سالوں سے کوبکی مقتدرہ کے قبضے میں ہیں جن کا علم صرف سو سال پہلے امت مسلمہ کو ہوا۔ اور وہ بھی اپنی تحقیق اور جستجو کے سبب نہیں بلکہ یہودیوں کی جانب سے خود اطلاع فراہم کرنے سے۔ جب کہ 661 عیسوی سے 1700 تک روئے ارض پر مسلم ورلڈ آرڈر (Muslim World Order) نافذ العمل تھا۔

(۲) نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے امت کے مذہبی حکمرانوں، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ کے لاتعلق، نابلد اور غیر حساس ہو جانے کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ علوم اسلامی اور معاشرۂ اسلامی میں سیرت کا موجود اولین اور مستند ماخذ ابن اسحاق جیسا چھپا یہودی (Crypto) ہے اور امت کی اس سے بڑی بے بسی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس ماٗخذ سے صرف نظر کیا جا سکتا ہے نہ استفادہ۔

(۱۱) تاریخ دین اللہ کے خاتمہ کا محور:

کوبکی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلابِ معکوس کی ہولناک کارروائیوں کا چھٹا ہدف تھا تاریخ اسلام کا خاتمہ۔ اس انہدامی کارروائی کے بنیادی اجزاء تھے:

(۱) روئے زمین پر آدم علیہ السلام سے مسلسل چلی آ رہی اسلام کی تاریخ کا خاتمہ کرنا،

(۲) معرکۂ خیر و شر کی ماضی میں ہونے والی کشمکش کی تاریخ کا خاتمہ کرنا،

(۳) معرکۂ خیر و شر کی ماضی میں ہونے والی کشمکش میں بنی اسرائیل کے انحراف کی تفصیلات کا خاتمہ کرنا،

(۴) معرکۂ خیر و شر کے تحت معرکۂ دجال اکبر کی تاریخ میں بنی اسرائیل کے منصب اجتبائیت سے معزول ہونے کے اسباب و علل سے بشری تاریخ کو بے خبر رکھنا،

(۵) معرکۂ خیر و شر کے تحت معرکۂ دجال اکبر میں بنی اسرائیل کی معزولی کے بعد امت

مسلمہ محمدیہ کے مقام اجتبائیت پر فائز کیے جانے کی تاریخ سے بشری تاریخ کو بے خبر رکھنا،

(۶) معرکۂ خیر وشر کی جاری تاریخ میں امت مسلمہ کو 'میثاق محمدیؐ' سے بے خبر رکھنا تا کہ وہ 'امت وسط' کی ذمہ داریوں سے کلیتاً نابلد ہو جائے اور بالآخر اسے پورا کرنے میں ناکام،

(۷) معرکۂ خیر وشر کے آئندہ مرحلے میں دجال اکبر کے ظہور اور اس کے حوالے سے بحیثیت امت وسط اپنے مطلوبہ کردار سے امت مسلمہ محمدیہ کلی طور پر نابلد ہو کر اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے میں کوتاہ ثابت ہوتا کہ وہ ناکام قرار پائے،

(۸) امت مسلمہ محمدیہ اپنی نبوی حیثیت اور نبوی وراثت سے غافل ــــــ نابلد ہو کر خود کو دنیا کی دیگر قوموں کی صف میں لا کھڑی کرے اور ویسی ہی زندگی کرنے لگے،

(۹) امت مسلمہ محمدیہ کی اپنی تاریخ اور اس کے تقاضوں سے بے خبری اور عدم توجہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہودی بالآخر معرکۂ دجال اکبر میں حق کو ناکام کرنے میں کامیاب ہو جائیں، اللہ تعالیٰ سے بزور اپنی حیثیت منوالیں، از سر نو محبوب بن جائیں، سکینہ حاصل کر لیں اور گویا اپنی سمجھ کے مطابق اللہ کو ناکام اور بر سر غلط ثابت کر دیں۔

جہاں تک انقلابِ معکوس کی ان انہدامی کارروائیوں کا تعلق ہے تو یہودی بظاہر اس میں پوری طرح کامیاب ہو گئے ہیں۔ امت مسلمہ میں پچھلے چودہ سو سالوں میں جمع کردہ پورا ذخیرۂ تاریخ اور اس تاریخ کی روشنی میں تشکیل پایا ہوا ذہن اسی کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ دوسری قوموں کی طرح روئے ارض پر ایک قوم ہے اور اس کی زندگی کے مقاصد اور یافت ونایافت کے پیمانے اور اوزان بھی وہی ہیں جو دیگر قوموں کے ہیں۔

(۱۲) اسلامی آثار کے خاتمہ کا محور:

کو کبی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلابِ معکوس کے تحت کی جانے والی انہدامی کارروائیوں کا ساتواں ہدف تھا اسلامی آثار کا خاتمہ۔ چنانچہ اس انہدامی کارروائی کا مقصد امت مسلمہ محمدیہ کو تمام اسلامی آثار سے عاری اور محروم کر دینا تھا تا کہ وہ اسلام کے صحیح خدوخال اور اس کے دروبست سے پوری طرح نابلد ہو کر رہ جائے۔ اسلام سے ان کی وابستگی خیالی اور افسانوی (Mythical) ہو جائے اور ان کی حیثیت بے اصل (Rootless)۔ امت مسلمہ محمدیہ کا تاریخی تسلسل برقرار نہ رہے اور ان کی تاریخی اور تسلسلی حیثیت مجروح ہو جائے۔ تفصیلات کی گہرائیوں میں جانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اس

انہدامی کارروائی کا آغاز وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر ہی شروع ہو گیا تھا لیکن اس کارروائی کا طوفانی دور 661 عیسوی کے بعد شروع ہوا جو 900 عیسوی تک بلا روک ٹوک جاری رہا۔ اس منصوبہ بند مہم کے درج ذیل شعبے تھے:

(۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام آثار کا خاتمہ کر دینا یا ان پر قبضہ کر لینا،
(۲) صحابۂ کرام سے متعلق تمام آثار کا خاتمہ کر دینا یا ان پر قبضہ کر لینا،
(۳) خانوادۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تمام آثار کا خاتمہ کر دینا یا ان پر قبضہ کر لینا،
(۴) قران سے متعلق تمام آثار کا خاتمہ کر دینا یا ان پر قبضہ کر لینا،
(۵) سنت رسول اللہ سے متعلق تمام آثار کا خاتمہ کر دینا یا ان پر قبضہ کر لینا،
(۶) تاریخ اسلامی سے متعلق تمام آثار کا خاتمہ کر دینا یا ان پر قبضہ کر لینا،
(۷) امت مسلمہ محمدیہ کے ابتدائی تمام فکری آثار کا خاتمہ کر دینا یا ان پر قبضہ کر لینا،
(۸) امت مسلمہ محمدیہ کے ابتدائی تمام علمی آثار کا خاتمہ کر دینا یا ان پر قبضہ کر لینا۔

حوادث کا دقیق جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کوہی مقتدرہ اپنی اس انہدامی کارروائی میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ بالخصوص 661 اور 900 عیسوی کے مابین امت پر مسلط انتظامیہ میں جس میں کوہی مقتدرہ کو تمام کارروائیوں کے لئے ہر طرح کی مراعات حاصل تھیں —— سنگ و خشت مقید تھے اور سگ آزاد۔

(۱۳) عربیٔ مبین کے خاتمہ کا محور:

کوہی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلاب معکوس کی انہدامی کارروائی کا آٹھواں ہدف تھا —— 'عربیٔ مبین' کا خاتمہ۔ کوہی مقتدرہ 'عربیٔ مبین' یعنی قرآن کی اصل زبان، اس کی ہمہ گیری، گہرائی اور جامعیت اور اس کے بشری ذہن و فکر اور تاریخ پر مرتب ہونے والے اثرات، مضمرات اور عواقب سے اس وقت روئے ارض پر موجود کسی بھی قوم کے مقابلے میں سب سے زیادہ واقف تھا۔ لہذا اس کے اولین مقاصد میں سے ایک اس حیرتناک زبان کا خاتمہ کرنا تھا۔ 'عربیٔ مبین' روئے ارض پر وہ واحد زبان تھی جو بشری تاریخ کی وراثت کی امین تھی۔ چنانچہ اسی میں قرآن نازل کیا گیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو اسی حوالے سے اسلام کی گہرائیوں کا علم دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبقری علماء یہود نے اس محاذ پر بڑی جاں فشانی کی اور بڑی بے جگری اور

مسلسل جدو جہد کی مثال قائم کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 750 عیسوی آتے آتے ایک مصنوعی دہقانی اور بدوی بولی پوری طرح منصۂ شہود پر لادی گئی۔ اسے عربی کا نام دیا گیا اور اس بات کی تشہیر کی گئی کہ قرآن کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اس بولی کا جاننا ضروری ہے۔ نئے قالب میں ڈھلی ہوئی دہقانی بدوی بولی کے جاننے والے کہنے کو عربی بھی جانتے تھے اور 'قرآن' کے آفاقی وحقیقی فہم سے عاری بھی ہو جاتے تھے۔ یہی وہ ہولناک حادثہ ہے جس کی تفصیلات کی تاریخ کے صفحات میں موجودگی کے باوجود ہم چونکتے نہیں۔

اس سازش کے اہم نکات کو درج ذیل میں ملخص کیا جاسکتا ہے:

(۱) عربی کے قواعد وضوابط ــــــ خلیل عمانی (712-778)، سیبویہ بصری (متوفی 770) اور کسائی کوفی (731-806) ــــــ مرتب کریں،

(۲) عربی ادب کا خاکہ ــــــ ابوالفرج اصفہانی (897-966) ــــــ پیش کرے۔

(۳) عہد جاہلی کا نام نہاد شعری مجموعہ ــــــ معلقات ــــــ حماد الراویہ (-694) ــــــ مرتب کرے،

(۴) عہد جاہلی کا دوسرا نام نہاد مجموعہ ــــــ مفضلیات ــــــ مفضل الضبی الکوفی (786-) ــــــ مرتب کرے،

(۵) عہد جاہلی کی نام نہاد شاعری کا مجموعہ ــــــ الحماسہ لابی تمام الطائی (804-850) عرب سے ہزاروں میل دور ہمدان (خراسان) میں اچانک منصۂ شہود پر آجائے اور اس طرح ــــــ قرآن کے سمجھنے کو اس دہقانی بدوی بولی سے منسلک کر دیا گیا جس کا قرآن سے دور دور کا کوئی علاقہ نہ تھا۔

(۱۴) مقصد دین کے خاتمہ کا محور:

کوبی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلاب معکوس کی انہدامی کارروائیوں کا نواں ہدف تھا ــــــ مقصد دین کا خاتمہ۔ بنی اسرائیل کی معزولی کے بعد جب امت مسلمہ محمدیہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں 'میثاق ابراہیمی' کی تکمیل کر دی تو وہ اگلی اور آخری منصب جلیلہ پر فائز کر دی گئی اور اس سے ایک میثاق لیا گیا جو 'میثاق محمدی' کہلایا۔ اس 'میثاق محمدی' کا مقصد تھا:

(۱) پوری روئے زمین پر اقامت صلوۃ کرنا۔

(۲) پوری روئے زمین میں تا قیامت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہنا۔

(۳) پوری روئے زمین میں تا قیامت امت وسط کی ذمہ داریاں پوری کرتے رہنا اور

(۴) بنی نوع انسان پر 'شہداء' کی ذمہ داری ادا کرنا۔

(۵) کائنات میں مخلوقات پر 'خلافت کبریٰ' قائم کرنا اور اسے قائم رکھنا۔

'میثاق محمدی' کے تحت ان ذمہ داریوں کی ادائیگی امت مسلمہ کا فریضہ منصبی قرار پائی۔ کوبی مقتدرہ کے ذریعہ کی گئی سازش کا مقصد تھا امت مسلمہ محمدیہ کو اس حیثیت سے کوتاہ اور نا کام بنانا۔ چنانچہ اس سازش کی کھلی کامیابی ہے کہ امت مسلمہ محمدیہ 661 عیسوی کے بعد اس فرض منصبی سے کنارہ کش ہونا شروع ہوگئی اور تین مرحلوں میں اب تک تقریباً نوے فیصد (90) کنارہ کش ہو چکی ہے۔

تشکیلی مرحلہ

(۱) یوں تو کوہی مقتدرہ کی متوازی تشکیلی کوششوں کا آغاز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ہی ہوگیا تھا تاہم تجزیہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ امت کے ذمہ داران کو اس کی واضح بھنک 636 عیسوی کے آس پاس ملی۔ چنانچہ اس حوالے سے انسداد کی پہلی باضابطہ کارروائی غالباً حضرت عمر نے حضرت عبداللہ بن مسعود کو عراق بھیج کر کی۔

کوہی مقتدرہ کی اس ہولناک، پیچیدہ اور منصوبہ بند تشکیل کارروائی کا مقصد تھا ـــــ اسلام ـــــ دین اللہ کو مسخ اور تبدیل کر دینا اور اسے ایک نئی شکل دیدینا۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس کارروائی کا مقصد تھا اسلام ـــــ دین اللہ کو اسلام ـــــ مذہب میں تبدیل کر دینا۔

(۲) حضرت عمر کی شہادت (644) کے بعد تو گویا حجاب کا وہ آخری بند بھی ٹوٹ گیا۔ (کـان بابا مغلقاً) چنانچہ تشکیلی کارروائی طوفانی رفتار سے آگے بڑھائی جانے لگی۔ اسلام ـــــ دین اللہ کی جگہ اسلام ـــــ مذہب کی تشکیل کا یہودی مشن بنیادی طور پر دو بڑے پہلو رکھتا ہے۔ جو درج ذیل ہیں:

(۱) اسلام کی مذہب سازی

(۲) اسلام کی تقسیم

(۳) اسلام کی مذہب سازی سے مراد ہے دین اللہ کو مذہب میں تبدیل کر دینا۔ اس کے دو وجوہ تھے:

(۱) کتاب اللہ کی تقسیم

(۲) سنت رسول اللہ کی تقسیم

(۴) کتاب اللہ کی تقسیم:

اللہ کی کتاب کے خلاف کو بھی مقتدرہ کی یہ کارروائی انتہائی پیچیدہ اور دور رس نتائج کی حامل تھی۔ یہاں تقسیم سے مراد نام نہاد 'عربی' کا تجزیہ اور فرق ـــــ بانٹنا یا بانٹ دینا نہیں بلکہ 'عربی مبین' کا کوٹ کوٹ کر یا چور چور کر کے ریزہ ریزہ کر دینا ہے"۔

چنانچہ اپنے اس منصوبہ کے تحت یہودی علماء نے قرآن کو کوٹ کوٹ کر اور چور چور کر کے ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا۔

(۵) سنت رسول اللہ کی تقسیم:

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم سے مراد ہے نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا خاتمہ کر کے اور اس کی جگہ 'جعلی سنت' بنا کر اسے سنتِ رسول کے نام سے امت میں رائج کر دینا جس سے بالآخر اللہ کا دین مزید ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے۔

(۶) علماء یہود کی یہ کارروائی بے حد پیچیدہ تھی جو نہایت مؤثر اور دور رس نتائج کی حامل ثابت ہوئی۔ ان کی یہ کارروائی 850 عیسوی تک پورے آب و تاب سے جاری رہی۔ چونکہ سنتِ رسول اللہ کی تقسیم کے لئے کی گئی یہودی کارروائی نہایت پیچیدہ اور مشکل تھی اس لئے اس کارروائی کے فہم کے لئے تین امور کا سمجھ لینا پہلے ضروری ہے۔ یہ تین امور ہیں:

(۱) سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
(۲) قولِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)
(۳) حدیث

(۷) سنت (رسول اللہ): سنت سے مراد وہ 'طریقہ' ہے جس کی اقامت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض منصبی تھی اور جسے آپ نے بہ تمام و کمال قائم فرما دیا۔

(۸) قول (رسول اللہ): قول سے مراد وہ سارے امور ہیں ـــــ خواہ بصورت قول ہوں یا عمل یا تقریر ـــــ جو ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئے۔ 'قول' میں بالخصوص درج ذیل امور شمار کئے جاتے ہیں:

(۱) اقوال عادیہ
(۲) افعال عادیہ

(۳) تقریر عادیہ

(۴) توضیح

(۵) تحقیق

(۶) تنقیح

(۷) تعیین

(۸) تبیین

(۹) تحکیم

(۱۰) تفریق

(۱۱) تبرھن

(۱۲) تفصیل

(۱۳) تفسیر

(۱۴) تلاوت آیات

(۱۵) تزکیہ

(۱۶) تعلیم الکتاب

(۱۷) تعلیم الحکمۃ

(۱۸) اِخبار (ماضیہ)

(۱۹) اِخبار (جاریہ)

(۲۰) اِخبار (آتیہ)

(۲۱) حکم

(۲۲) عطا

(۲۳) مشورہ

(۲۴) ہدایت عامہ

(۲۵) ہدایت منصبیہ

(۲۶) تبشیر

(۲۷) انذار

اس مقام پر یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ 'سنت رسول' اور 'قول رسول' دونوں بالکل جداگانہ امر ہیں ان کی تشریح تفصیل طلب ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں۔

(۹) حدیث: تحدیث یعنی حدیث بیان کرنا، لکھنا اور کسی کو پہنچانا ایک شنیع، مکروہ، خبیث اور مردود فعل ہے جو سراسر دین اللہ مخالف اور رسالت مخالف ہے۔

اللہ تعالیٰ اس فعل سے غضبناک ہوتا ہے۔ یہ فعل ان میں سے، ایک تھا جس کی بنا پر بنی اسرائیل سرکش، باغی اور نافرمان قرار دیئے گئے۔ اور معزول کئے گئے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے اس شنیع اور مکروہ فعل اور اس پر اللہ کے غضب سے، ایسا کرنے کے مضمرات وعواقب سے اور ایسا کرنے والوں کے انجام سے خوب واقف تھے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت مسلمہ کو 'تحدیث' سے سختی سے منع فرمایا۔

یہی سبب ہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس پرکار بندر ہے اور بلا استثناء کسی نے کبھی کوئی حدیث بیان کی، نہ لکھی اور نہ کسی کو پہنچائی۔ صحابہ کرام پوری حیات اس شنیع فعل سے مجتنب رہے۔

یہ فعل بے حد شنیع تھا اس لئے قرآن نے اس کی مذمت میں ایک ایسا پیرایہ بیان اختیار کیا جس سے سخت کوئی اور پیرایہ بیان نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ قرآن نے یہودیوں کے اس فعل حدیث کو 'تقول' کے نام سے پکارا اور اس بات کی وضاحت کردی کہ اللہ کے رسول نہ تقول کرتے ہیں نہ اہل ایمان کا یہ شیوہ ہے اور نہ ہم کسی کو اس کی اجازت دیں گے۔ قرآن نے تنبیہ فرمائی:

" ولو تقول علینا بعض الاقاویل لأخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین (الحاقة)

ترجمہ: اگر اس (نبی) نے ہم پر تقول کیا ہوتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور اس کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔

(۱۰) 'حدیث' دراصل بنی اسرائیل کے گمراہوں کے ذریعہ اللہ کی کھلی نافرمانی کرتے ہوئے دین کو اپنے تابع بنانے کا وہ فعل ہے جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل اہل ایمان باقی نہ رہے اور یہودی ہو کر اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے۔ حدیث کے معانی ہیں:

دین اللہ کو مسخ کرنا، بدل ڈالنا، نئی تاویل کرنا، نئی تعبیر کرنا، نئے معانی دینا، نیا رخ دینا، نئی شکل دینا نئی جہت دینا، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دینا۔

(۱۱) جیسا کہ اس عاجز نے عرض کیا ہے کہ حدیث کا فعل اس قدر شنیع، مکروہ اور خبیث تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری امت مسلمہ کو تا قیامت اس عمل سے منع فرمادیا اور ایسا کرنے سے ڈرایا۔ یہی سبب ہے کہ صحابۂ کرام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اس پر سختی سے عامل رہے اور پوری حیات 'حدیث' اور اس کے متعلقات سے اپنا دامن کلی طور پر بچائے رکھا۔ 'حدیث' اور اس کے متعلقات درج ذیل ہیں:

(۱) حدیث بنانا

(۲) حدیث سنانا

(۳) حدیث لکھنا

(۴) حدیث بیان کرنا

(۵) حدیث سننا

(۶) حدیث دوسروں تک پہنچانا

(۱۲) صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا حدیث اور اس کے متعلقات سے کلی اجتناب کرنے کا یہ وہ تعامل ہے جس کا ذکر درج ذیل طریقوں سے ہوا ہے:

(۱) عن السائب بن یزید أنه قال صحبت سعد بن مالک من المدینة إلی مکة فما سمعته یحدث عن النبی صلی الله علیه وسلم بحدیث واحدٍ (اخرجه ابن ماجه فی سننه)

ترجمہ: سائب بن یزید کا قول ہے: میں سعد بن مالک کے ساتھ مدینہ سے مکہ گیا لیکن ان سے پورے سفر کے دوران ایک حدیث نہیں سنی۔ یعنی انہوں نے ایک حدیث تک بیان نہیں کی۔

(۲) روی عن الشعبی أنه قال جالست عند ابن عمر سنةً فما سمعته یحدث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم شیا (اخرجه ابن ماجه فی سننه)

ترجمہ: شعبی سے روایت ہے: میں عبداللہ بن عمر کے پاس سال بھر رہا ان سے میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نہیں سنی۔ یعنی انہوں نے ایک حدیث بیان نہیں کی۔

(۳) قال قلت للزبير إنى لا اسمعك تحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كما يحدث فلان و فلان قال اما إنى لم أفارقه ولكن سمعته يقول من كذب عليّ فليتبوا مقعده من النار (روى البخارى فى كتاب العلم)

ترجمہ: روایت ہے: میں نے حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہیں سنتا جیسا کہ فلاں اور فلاں بیان کیا کرتا ہے۔ تو حضرت زبیر بن العوام نے جواب دیا کہ میں ہمیشہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا اور کبھی ان کی صحبت سے جدا نہیں ہوا لیکن میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے: جس نے میرے متعلق جھوٹ کہا (یعنی حدیث بیان کی) اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(۱۳) اسی موقع پر اس بات کا سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ اسلامی تاریخ میں مذکور مشہور 'فتنہ وضع حدیث' کا اصلی اور درست مفہوم اور مراد کیا ہے؟

(۱۴) فتنہ وضع حدیث:

وضع حدیث کے بظاہر دو مفہوم ہو سکتے ہیں:

(۱) مفہوم اوّل: جھوٹی حدیث بنانا یا گھڑنا

اس مفہوم میں اس فعل کی صورت وہی ہوتی ہے جیسے جعلی نوٹ چھاپنا یا جعلی سرٹی فکیٹ تیار کرنا۔

مذکورہ مفہوم میں دراصل دو باتیں شامل ہیں:

(الف) حدیث کسی اصلی، حقیقی اور مقبول شئے کا نام ہے۔

(ب) اس اصلی، حقیقی اور مقبول شئے کے ساتھ جعلی اور غیر حقیقی حدیثوں کو گھڑ کر شامل کر دینا اور انہیں معاشرے میں مقبول عام بنانا یا رائج کر دینا۔

(۲) مفہوم دوم: حدیث بنانا یا گھڑنا۔

اس مفہوم میں اس فعل کی صورت وہی ہوتی ہے جیسے کسی بے اصل بلکہ ممنوع چیز کو بنانا یعنی ایک ایسی چیز بنانا اور اسے رائج کر دینا جس کی دین میں سرے سے کوئی حقیقت ہی نہ ہو بلکہ وہ چیز دین مخالف ہو جس سے دین کی شکل، صورت، مزاج، رخ، جہت حتیٰ کہ اس کی روح تبدیل ہو کر رہ جائے۔

عام طور پر 'وضع حدیث' سے مفہوم اول لیا جاتا ہے چنانچہ اسی پر علوم اسلامی میں علوم حدیث کا پورا ذخیرہ اور اس سے متعلق جرح و تعدیل کی پوری عمارت کھڑی کی گئی ہے اور پھر اسی پر فقہ کا شہر بسایا گیا ہے۔ یہ مفہوم غلط ہی نہیں بلکہ سرتا سر گمراہ کن ہے۔ تاریخی اصلی حقیقت بالکل برعکس ہے۔ 'وضع حدیث' کا اصلی مفہوم مفہوم دوم ہے۔ یعنی ایک ایسی چیز (حدیث) گھڑنا، لکھنا، سننا، اور سنانا جو بذات خود ممنوع، مردود اور خبیث ہو۔

(۱۵) چنانچہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم کا ہولناک کوبی منصوبہ 632 عیسوی کے بعد پوری سرعت سے روبہ عمل آنا شروع ہوگیا۔ یہ عمل 661 عیسوی کے بعد برق رفتار اور 681 عیسوی کے بعد طوفان رستاخیز کی صورت اختیار کر گیا۔ بعض تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ 'فتنۂ وضع حدیث' 716 آتے آتے قیامت خیز ہو چکا تھا۔ چنانچہ 717 میں جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے قرون مشہود لھا بالخیر کے بعد اس 'فتنۂ وضع حدیث' پر بند باندھنے کی پہلی، آخری اور ایک ناکام کوشش کی جسے غلط فہمی کے سبب 'تدوین حدیث' کے عمل کے نام سے مشہور کر دیا گیا۔ بخاری نے اپنی صحیح میں لکھا ہے:

" کیف یقبض العلم و کتب عمر ابن عبد العزیز إلی 'أبی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث (؟) رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاکتبه فانی خفت دروس العلم وذھاب العلماء {ولا تقبل إلاّ حدیث (؟) النبی صلی اللہ علیه وسلم و لیفشو االعلم و لیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم فان العلم لا یھلک حتی یکون سراً "} (رواہ البخاری . کتاب العلم)

(یہاں اس عاجز نے اولاً: 'حدیث' کے بعد سوالیہ نشان اس لئے لگایا ہے کہ یہ محل نظر ہے، اور ثانیاً: بریکٹ کے اندر متن کو اس لئے رکھا ہے کہ عبداللہ بن دینار نے اسی حدیث کو ذھاب العلماء تک ہی بیان کیا ہے۔)

(۱۶) تفصیلات کے تجزیہ سے بخوبی علم ہو جاتا ہے کہ 661 عیسوی کے بعد امت کے اندر باضابطہ دو روئیں جاری ہو گئیں تھیں:

(۱) پہلی رو: پہلی رو ان اکابر یہودی علماء کی سربراہی میں کام کر رہی تھی جو بظاہر مسلمان ہو کر علماء اسلام کی حیثیت سے مسند تعلیم و ارشاد سنبھال چکے تھے۔ یہ رو فی الواقع ایک رو

نہیں بلکہ ایک قیامت خیز دریا تھی۔ یہی وہ رو تھی جو فی یوم ہزاروں حدیثیں گھڑ کر خراسان سے مغرب تک امت میں انہیں بکھیر رہی تھی۔

(۲) دوسری رو: دوسری رو ایک غیر مرئی جوئے کم آب تھی۔ یہ آب جو ــــ ان بچے کھچے، بے انتہا دہشت میں مبتلا کردہ، دل گرفتہ اور گوشہ نشین صحابہؓ کرام اور تابعین کی تھی جو اب معاشرے میں بے نام اور اجنبی ہو چکے تھے۔ اور بڑی خاموشی سے اس پر ہول ماحول میں آنے والی نسلوں تک سنت رسول اور قول رسول پہنچا کر ایفاء عہد (فمنھم من قضی نحبہ و منھم من ینتظر وما بدلو اتبدیلا) (الاحزاب ۲۳) کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ ایک ایسا ماحول تھا کہ اس میں 'سنت رسول' اور 'قول رسول' کا ذکر کرنا اور اس کی اشاعت کرنا موت کو کھلی دعوت دینا تھا۔ یہی وہ بات ہے جس کے تناظر میں اس عاجز نے عمر بن عبدالعزیز سے متعلق بخاری کی روایت کے متن میں 'حدیث' کو محل نظر قرار دیا ہے۔ دوسری جانب دروس العلم، ذھاب العلماء اور فان العلم لا یھلک حتی یکو ن سرا اسی بھیانک، لرزہ خیز اور پر ہول ماحول کا پتہ دے رہے ہیں۔ اس تعلق سے قابلِ غور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر ایسا کوئی حکم دیا گیا تو وہ صرف قاضی ابوبکر بن حزم اور اسی طرح کے چند ایک مقامات کے لوگوں کو کیوں دیا گیا۔ اس کی وجہ واضح ہے اور وہ ہے کہ اس پر ہول ماحول میں جہاں کوفہ، بصرہ، انبار، دمشق اور مصر جگمگا رہے تھے اور جہاں حدیث کے بڑے بڑے جہابذہ اپنی بڑی بڑی دکانیں سجا چکے تھے وہاں مکہ اور مدینہ دو اجڑے دیار اور کلبہ احزاں تھے۔ مدینہ اجڑا ہوا دیار ہونے کے ساتھ ساتھ معتوب لوگوں کی پناہ گاہ بن کر رہ گیا تھا۔ 'سنت رسول' اور 'قول رسول' اسی اجڑے دیار میں رہنے والے چند اجنبی، ڈرے، سہمے اور رفتہ رفتہ مرتے جاتے ہوئے لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے۔ بقیہ پوری خلافت اسلامیہ میں از کراں تا کراں 'حدیث' کی گرم بازاری تھی جہاں حدثنا، حدثنی، اخبرنا، اخبرنی، عن فلاں عن فلاں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

(۱۷) تاریخ بتاتی ہے کہ 'سنت رسول' اور 'قول رسول' کو محفوظ کرنے کی یہ کوشش 'وضع حدیث' کے سیلاب بے پناہ میں بہہ گئی۔ دیکھتے دیکھتے 'فتنہ وضع حدیث' کے سمندر نے پوری ملت اور اسلامی زندگی کے جملہ شعبوں کو نگل لیا۔

اسلام کی تبدیلی

(۱) کوبی مقتدرہ کی تشکیلی مساعی کا آغاز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد ہو گیا تھا تاہم اس وقت یہ ایک سراسر خفیہ کارروائی تھی۔ اسلامی معاشرے میں باضابطہ اندرونی کشمکش کا آغاز 636 عیسوی کے بعد ہوا۔ 644 آتے آتے یہ کوشش بہت حد تک زیر زمین ہونے کے باوجود رنگ دکھانے لگی۔ 650 آتے آتے اس کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ کوبی مقتدرہ نے 661 میں اسلامی نظام کا تختہ پلٹ دیا۔

(۲) کوبی مقتدرہ جلد از جلد اسلام کی کایا پلٹ کر دینا چاہتا تھا۔ اس کی تشکیلی کوششوں کا بنیادی مقصد تھا اسلام دین اللہ کو اسلام مذہب میں تبدیل کر دینا۔

(۳) دین اللہ کی مذہب میں تبدیلی کا کوبی مشن چار پہلوؤں سے عبارت تھا:

(۱) دین اللہ کی مذہب سازی	Religionisation of Islam
(۲) دین اللہ کی رسم سازی	Ritualisation of Islam
(۳) دین اللہ کی توہم سازی	Superstitionalisation of Islam
(۴) دین اللہ کی تصوف سازی	Tasawwafisation of Islam

(۴) ان کارروائیوں کے نتیجے میں قرون مشہود لھا بالخیر کے برعکس 661 عیسوی کے بعد امت مسلمہ میں دو مضبوط طبقے نئے رول کے ساتھ منصۂ شہود پر وارد ہوئے:

(۱) حکام یہ وہ لوگ تھے جن کے ہاتھوں میں امت مسلمہ کی انتظامی باگ ڈور چلی آئی تھی۔

(۲) علماء و مشائخ: یہ وہ لوگ تھے جن کے ہاتھوں میں امت مسلمہ کی علمی اور روحانی باگ ڈور چلی آئی تھی۔ علماء و مشائخ کا یہ طبقہ آنا فانا ظاہر ہوا۔ اس کا بڑا حصہ چھپے یہودی علماء (Crypto) پر مشتمل تھا۔ ہر چند کہ اس طبقہ کی امت میں پہلے سے کوئی شناخت نہیں تھی اور یہ طبقہ بڑی عیاری اور مکاری سے ظاہر ہوا تھا اور معاشرے میں اجنبی تھا لیکن چونکہ یہ طبقہ حکام کا منظور نظر بلکہ ہم پیالہ و ہم نوالہ تھا اس لئے تھوڑی ہی دیر میں پوری ملت میں اس کی شناخت قائم ہوگئی۔ اس وقت تک صحابۂ کرام یا تو مارے جا چکے تھے یا خوف شدید میں مبتلا کر دیئے جانے کے بعد گوشہ گیر یا گمنامی میں تحلیل ہو چکے تھے۔

گزشتہ چودہ سو سالوں کی اسلام کی مذہبی، علمی، فکری، فقہی، معاشرتی اور روحانی تاریخ دراصل 661 عیسوی کے بعد اچانک منصۂ شہود پر آنے والے علماء و مشائخ کی اور ان کی بنا ڈالی ہوئی تہذیب میں پروردہ علماء و مشائخ کی تاریخ ہے۔ صحابۂ کرام اور حقیقی علماء کی تاریخ اسلام دین اللہ کی طرح اجنبی اور محجوب ہو چکی ہے۔

(۳) امت مسلمہ میں 661 عیسوی کے بعد حکام اور علماء و مشائخ میں قائم ہونے والا یہ تعامل اب تک بلا فصل قائم ہے۔ حکام اور علماء و مشائخ کے اس تعامل اور تعاون سے بہت جلد معاشرے میں نئے امکانات اور جہتیں پیدا ہونے لگیں۔ نئی نئی باتیں ابھرنے لگیں۔ ان میں بیشتر ایسی باتیں تھیں جن سے صحابۂ کرام واقف نہ تھے۔ قرآن میں ان کا کوئی تذکرہ نہ تھا اور سنت رسول سے ان پر کوئی روشنی نہیں پڑتی تھی۔

661 عیسوی کے بعد ابھرنے والی ان نئی باتوں میں سے ایک بات 'تقلید' تھی۔ یہ ایک نیا سکہ تھا جو نئے حکام اور نئے علماء و مشائخ کے تعامل اور تعاون سے رائج کیا گیا۔ صحابۂ کرام اس سے قطعاً واقف نہ تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اطاعت اور اتباع کی تعلیم دی تھی۔ تقلید بالکل جداگانہ اور ان کے لئے اجنبی چیز تھی۔ مذکورہ دونوں طبقوں نے بہت جلد اس 'تقلید' کے زیر عنوان ملت اسلامیہ سے دو مطالبات کیئے:

(۱) تقلید حاکم: اس کے تحت امت مسلمہ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ حاکم کی تقلید کریں۔

(۲) تقلید فقیہ: اس کے تحت امت مسلمہ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ فقیہ کی تقلید کریں۔

چنانچہ ان دونوں تقلیدوں کے حتمی اظہار کو یقینی بنانے کے لئے دو بیعتیں رائج ہوئیں:

(۱) بیعت حاکم:

(۲) بیعت فقیہ:

بہت جلد ان دونوں تقلیدوں کی دو توسیعات ہوئیں:

(۱) توسیع بیعت حاکم: اجازت حاکم

(۲) توسیع بیعت فقیہ: اجازت فقیہ

تھوڑے ہی عرصے میں ان کی مزید توسیع ہوئی۔ فقہ نے تین بڑی صورتیں اختیار کرلیں:

(۱) فقیہ حدیث: بیعت و اجازت فقیہ حدیث

(۲) فقیہ رائی: بیعت و اجازت فقیہ رائی

(۳) فقیہ روحانی: بیعت و اجازت فقیہ روحانی

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ان تمام باتوں کی قران و سنت میں کوئی جگہ نہ تھی۔ صحابۂ کرام نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سیکھا تھا وہ تھا: اطاعت یعنی اتباع

چنانچہ صحابۂ کرام کے نزدیک اطاعت و اتباع کا منبع اللہ رب العزت کی ذات تھا اور اس کا سلسلہ اس ذات سے ہوتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک آتا تھا۔ اور ان دونوں کی اطاعت اور اتباع کی شرط پر اولی الأمر تک وسیع ہوتا تھا۔

'تقلید' غیر ربانی، غیر قرانی، غیر نبوی بلکہ انسانیت سے گرا ہوا ایک لفظ ہے۔ اسلام نے انسان کو شرف سے نوازا ہے اور اسے اللہ کی بندگی کے لئے مختص کر کے حریت سے ہمکنار اور بندوں کی غلامی سے آزاد کیا ہے۔ اسلام کا ایسے غیر انسانی لفظ سے کیا علاقہ ہو سکتا ہے۔

661 عیسوی کے بعد ابھرنے والی ان نئی باتوں میں سے دوسری بات 'عقیدہ' تھی۔ یہ بھی ایک نیا سکہ تھا جو نئے حکام اور نئے علماء و مشائخ کے تعامل و تعاون سے رائج کیا گیا۔ صحابۂ کرام اس سے قطعاً واقف نہ تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں 'ایمان' کی تعلیم دی تھی۔ 'عقیدہ' بالکل جداگانہ اور ان کے لئے اجنبی چیز تھی۔ 'ایمان' قرانی اور ربانی ہے۔ 'عقیدہ' کا تعلق قران سے ہے اور نہ قول رسول سے۔ اس کا ماٰخذ دراصل یہودیت ہے۔ 'عقیدہ' علماء یہود کی بدترین تخلیقات میں سے ایک ہے جس کے ذریعہ انھوں نے خود کو ارباب من دون اللہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ دین اللہ کو یہودیت بنانے اور اہل حق کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں اس کا سب سے زیادہ استعمال کیا گیا۔ عقیدہ ہی وہ حربہ تھا [illegible] علماء یہود نے انبیاء بنی اسرائیل کو قتل کیا۔

(۵) دیکھتے دیکھتے معاشرے سے اسلام دین اللہ کے نشانات محو ہونے لگے اور اس کی جگہ اسلام مذہب کے نشانات نمایاں۔ ہر جگہ قرآن، سنت رسول اور قول رسول کی جگہ جعلی سنتیں اور احادیث رائج ہو گئیں۔ ان جعلی سنتوں اور احادیث کے حوالے سے معاشرے میں نئی نئی باتوں کا رواج عام ہوا۔ 700 عیسوی کے بعد معاشرے میں رائج ہونے والی نئی باتوں میں درج ذیل اہم ہیں:

(۱) ایمان	کی جگہ	عقیدہ
(۲) اتباع واطاعت	کی جگہ	تقلید
(۳) تمسک بالکتاب	کی جگہ	تقلید قیادت (حاکم، فقیہ)
(۴) تمسک بالسنۃ	کی جگہ	تقلید قیادت (حاکم، فقیہ)
(۵) تمسک بالقول الرسول	کی جگہ	تقلید حدیث (فقیہ بالحدیث، فقیہ بالرای)
(۶) تفقہ فی الدین	کی جگہ	اجماع
(۷) اعتصام بحبل اللہ	کی جگہ	اجتهاد
(۸) جہاد	کی جگہ	جہاد اکبر یعنی ترک جہاد

(۶) سن 730 آتے آتے دین سے مذہب میں بدلتا اسلام کا حلیہ پوری طرح واضح ہونے لگا۔ گویا 730 آتے آتے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم کردہ دین اللہ کے ستونوں کو گرا دیا گیا اور اس کی جگہ حاکم اور فقیہہ کے تعامل سے تشکیل دیئے گئے اسلام کے ستون ایستادہ کر دیئے جانے لگے۔ تاہم مذہب اسلام کو پوری طرح راسخ ہونے میں وقت لگا۔ تفصیلات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوبی مقتدرہ، حکمرانوں اور علماء ومشائخ کے باہمی تعاون سے تشکیل دیئے گئے مذہب کے جملہ شعبے 880 عیسوی تک راسخ اور مستحکم ہو سکے۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ 880 آتے آتے امت مسلمہ میں زندگی کے ہر شعبے سے اسلام دین اللہ بے دخل کیا جا چکا تھا۔

(۷) 880 عیسوی میں پوری طرح راسخ مذہب درج ذیل صورتحال سے عبارت ہو چکا تھا:

(۱) اجتماعی مسلم حیات میں قرآن معطل کر دیا گیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ تبرک کی ایک چیز تھی۔

(۲) اجتماعی مسلم حیات میں سنت اور قول رسول کی کوئی جگہ نہیں تھی۔

چنانچہ اجتماعی مسلم حیات اب صرف دو چیزوں کے مجموعہ کا نام تھی۔ یہ دو چیزیں تھیں:

(۱) حکام جو کہ ہوا...

(۲) احکام فقیہ اور اجتہاد فقیہ

(۸) ان دونوں دائروں کے نقطہ ھای پرکار الگ الگ تھے:

(۱) احکام حاکم اور اجتہاد حاکم کا مبلغ اور منبع حاکم کا دماغ تھا۔

(۲) احکام حاکم اور اجتہاد حاکم کے محرک مصالح حاکم تھے۔

(۳) احکام فقیہ اور اجتہاد فقیہ کا مبلغ و منبع اصول فقہ تھے۔

(۴) اصول فقہ کا مبلغ و منبع یہودی فقہ تھی۔

(۹) تاریخ اور اس میں جاری حوادث کی صورتحال کا دقیق جائزہ بتاتا ہے کہ:

(۱) 730 عیسوی کے بعد بحیثیت مجموعی اجتہاد حاکم اور اجتہاد فقیہ میں بلافصل مرئی و غیر مرئی تناسق ہمیشہ قائم رہا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں باہم تعاون کی فضا ہمیشہ قائم رہی۔

(۲) مسلم معاشرے میں 730 عیسوی کے بعد فقہ اسلامی اور فقیہ حاکم وقت کے سب سے مؤثر معاون کی طرح ابھرے جنھوں نے ہمیشہ حاکم اور اس کے نظام کو تقویت دینے کی کوشش کی۔ اور اس تناظر میں خدمات انجام دیئے۔

(۳) 730 عیسوی اور 1923 کے مابین حاکم وقت اور اس کے نظام اور فقیہ میں صرف درج ذیل صورتوں میں تصادم کی نوبت آئی:

(۱) جب حاکم نے فقیہ کے مفادات پر بالواسطہ یا بلاواسطہ دانستہ یا نادانستہ ضرب لگادی ہو۔

(۲) جب حاکم نے فقیہ کے اختیارات کو بالواسطہ یا بلاواسطہ دانستہ یا نادانستہ غصب یا محدود کرنے کی کوشش کی ہو۔

(۱۰) 661 عیسوی سے عصر حاضر (2006) تک تاریخ اسلام کے مطالعہ سے درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) ہر چند کہ حکمراں اور فقیہ و شیخ دونوں طبقات اپنے اپنے مفادات سے Regulated رہے ہیں لیکن متقی اور خداترس حکمراں علماء و مشائخ کے مقابلے میں امت مسلمہ کے لئے زیادہ مفید اور باعث رحمت ثابت ہوئے۔

(۲) خدا ناترس حکمراں امت مسلمہ کے لئے خدا ناترس اور دنیا دار علماء اور فقیہ کے مقابلے میں کم مضر اور باعث زحمت ثابت ہوئے۔

(۳) گزشتہ چودہ سو سالوں کے دوران حکمران بحیثیت مجموعی امت مسلمہ کے دور رس مفادات کی تشخیص، تعیین اور حفاظت میں علماء و مشائخ کے مقابلے میں زیادہ بیدار مغز ثابت ہوئے۔

(۴) گزشتہ چودہ سو سالوں میں متقی اور بیدار مغز حکمرانوں نے امت مسلمہ کے مفادات کی حفاظت میں علماء و مشائخ کے مقابلے میں بحیثیت مجموعی زیادہ کوشش کی اور زیادہ کامیاب رہے۔

(۵) شاید یہی سبب ہے کہ 1800 اور 1923 کے مابین جب ساری دنیا میں مسلم حکمراں مغربی استعمار کے سامنے بالکل بے بس ہو کر غیر مؤثر ہو گئے تو صرف پچاس سالوں میں امت مسلمہ پر اتنی تباہی آ گئی اور اسلام، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، قران، سنت رسول، مقامات مقدسہ اور امت مسلمہ کی عزت و حرمت کی اتنی پامالی ہو گئی جیسی پچھلے تیرہ سو سالوں میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔

(۶) 1923 میں 661 عیسوی سے چلے آ رہے نظام کی ایک اور حقیقت منکشف ہوئی۔ امت مسلمہ میں حکمراں اور علماء و مشائخ دو برابر کے ستون نہیں تھے۔ بلکہ امت بنیادی طور پر عملاً صرف ایک ستون پر قائم تھی۔ اور وہ ستون حکمرانوں کا ستون تھا۔

(۷) 661 عیسوی سے قائم نظام میں ساری طاقت حکمرانوں کے پاس مجتمع تھی اور علماء و مشائخ اس نظام میں صرف طفیلی (Parasite) تھے۔ لہذا حکمرانوں کے زوال نے امت مسلمہ کی عمارت زمیں بوس کر دی۔

(۸) 661 عیسوی سے قائم نظام میں علماء و مشائخ طفیلی (Parasite) محض تھے۔ طفیلی (Parasite) نفسیات کی اساس ہے: اخذ، حصول اور امتصاص (Suck)۔

(۹) 661 عیسوی کے بعد علماء و مشائخ بنیادی طور پر اسی نفسیات کا شکار رہے۔ اسی نفسیات کے سبب بحیثیت مجموعی علماء و مشائخ ان ظالم حکمرانوں کے بھی بہترین وکیل ثابت ہوئے جو ان کی توقیر اور ان سے فراخ دلانہ سلوک کا خاص خیال رکھنے والے ثابت ہوئے۔

(۱۰) طفیلی نفسیات (Parasitic Psyche) کا ایک اور خاصہ ہوتا ہے: خود غرضی، طوطا چشمی اور وفاداریاں تبدیل کرنے کا رجحان۔ چونکہ اس نفسیات کی اصل اخذ، حصول اور امتصاص ہوتے ہیں لہذا جیسے ہی کسی کا زوال انھیں یقینی نظر آتا ہے اور اس سے حصول کی توقع باقی نہیں رہتی اس کی خدمات اور ابتک کی داد و دہش کو یکسر بھول کر علماء و مشائخ ان امکانات کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جو زیادہ روشن نظر آتے ہوں۔

نو یا سات عوامل

(۱) اس عاجز نے امت مسلمہ کو 661 عیسوی کے بعد معطل و مفلوج کر کے رکھ دینے والے نو عوامل کا ذکر کیا تھا۔ وہ نو عوامل تھے:

(۱) علماء
(۲) مشائخ
(۳) علوم مذہبی
(۴) نصاب علوم مذہبی
(۵) کتب نصاب مذہبی تعلیم
(۶) علوم مذہبی کی تعلیم گاہیں
(۷) علوم مذہبی کا طریقۂ تعلیم
(۸) علوم روحانی
(۹) نصاب و اشغال روحانی

(۲) اس حوالے سے یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ 661 اور 900 عیسوی کے مابین علماء و مشائخ کی اکثریت کو کی مقتدرہ کے بھیجے ہوئے چھپے (Crypto) یہودی علماء و مشائخ پر مشتمل تھی۔ چنانچہ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے ان ابتدائی سوا دو سو سال میں ملت اسلامیہ کے مابین رہتے ہوئے بقیہ سات عوامل کی تدوین و تشکیل کا کام انجام دیا۔

(۳) واقعات و حوادث کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سن 850 عیسوی سے صورتحال میں

پھر ایک ڈرامائی تبدیلی [illegible] واپس [illegible] کر دی۔

چنانچہ ملت اسلامیہ سے چھپے ہوئے ان یہودی علماء ومشائخ کی واپسی 900 عیسوی تک تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔اس کے درج ذیل اسباب تھے:

(۱) اب امت مسلمہ کے مابین ان چھپے یہودی علماء ومشائخ کی اتنی بڑی تعداد کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

(۲) امت مسلمہ میں اسلام ـــــ دین اللہ ناپید ہو چکا تھا اور مسلم معاشرے میں اسلام ـــــ مذہب کی جڑیں مستحکم ہو چکی تھیں۔

(۳) مذہب اسلام کے سارے اصول اور ان پر استوار کیے ہوئے مذہبی علوم پوری طرح مدون ہو چکے تھے۔

(۴) امت مسلمہ میں مذہبی افکار اور اعمال واشغال کو برقرار رکھنے والے ادارے اپنی جڑیں جما چکے تھے۔

(۵) امت مسلمہ میں سادہ اور مخلص مسلمان اور ان کی نسلیں مذہب پر عامل اور اس کی عادی ہو چکی تھیں۔

(۶) امت مسلمہ میں مخلص مسلمانوں کے گھروں میں پیدا نسلیں علماء اور مشائخ کی طرح آزادانہ طور پر ان تمام افکار واعمال کو تھامنے اور برقرار رکھنے کی صلاحیت کی حامل ہو چکی تھیں۔ اور اب کسی خارجی در آمد کی بظاہر ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

(۷) اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ 900 عیسوی کے بعد امت مسلمہ کو معطل ومفلوج کر کے رکھ دینے والے عوامل نو شمار کیے جائیں یا صرف سات؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ 900 عیسوی میں پیدا ہونے والی صورتحال انقلابی تھی اور اس درجہ کی تبدیلی معاشرے پر لازماً اثر انداز ہوتی۔ چنانچہ اس عاجز کی بھی یہی رائے ہے کہ معاشرے پر اس کے اثرات مرتب ہوئے لیکن اس عاجز کی تحقیق کے مطابق ایک امر کو چھوڑ کر کوئی بنیادی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ 661 عیسوی میں امت مسلمہ میں نفوذ کر جانے والے یہودی علماء اور مشائخ تناظر علمی کے اعتبار سے عبقری تھے۔ ان کا تناظر علمی آفاقی، بین الاقوامی، کثیر لسانی اور کثیر فنونی ہونے کے ساتھ بے حد تجزیاتی اور تجرباتی تھا۔ لہٰذا ان کی ہر صنعت حتیٰ کہ ان کی نمائشی بے وقوفی میں بھی ان کے تناظر علمی کی ہمہ

جہتی اور ہمہ گیری کی جھلک بہر حال نظر آجاتی تھی اور کسی ذہین دماغ کے لئے ان کی حقیقت سمجھ لینا چنداں دشوار نہ تھا۔ 900 میں ان کے رخصت ہو جانے کے بعد جب ان کی جگہ مخلص مسلمان گھرانوں میں پیدا ہونے والے علماء و مشائخ نے لے لی تو ان کے تناظر علمی میں اس آفاقیت، بین الاقوامی، کثیر لسانی اور کثیر فنونی پرکاری کی جھلک ختم ہو گئی۔

(۵) چنانچہ مذکورہ نو عوامل نو ہی رہے لیکن اب 900 عیسوی کے بعد پیدا ہونے والی صورتحال نے ترتیب میں واضح تبدیلی کر دی تھی۔ سن 900 کے بعد مخلص اور سادہ مسلمان گھرانوں کے افراد بحیثیت علماء اور مشائخ سرفہرست نہیں رہ گئے بلکہ ذیلی ہو چکے تھے۔ وہ ۳ تا ۹ میں درج عوامل کے خالق نہیں تھے بلکہ ان کی تخلیق اور ان کے ذریعہ Regulated تھے۔ وہ ان سات عوامل کی پیداوار اور اولاد تھے۔ لہٰذا صورتحال میں درج ذیل تبدیلیاں واقع ہوئیں:

(۱) ترتیب کی صورت یوں ہو گئی:

(۱) علوم مذہبی

(۲) نصاب علوم مذہبی

(۳) کتب نصاب مذہبی تعلیم

(۴) علوم مذہبی کی تعلیم گاہیں

(۵) علوم مذہبی کا طریقہ تعلیم

(۶) علوم روحانی

(۷) نصاب و اشغال روحانی

(۲) شمار نمبر ۸ میں اب مشائخ فائز ہو چکے تھے۔

(۳) شمار نمبر ۹ میں سب سے نیچے علماء شمار کئے جانے لگے۔

(۶) 900 عیسوی کے بعد امت مسلمہ میں ان نو عوامل کی حقیقی صورت درج ذیل ہو گئی:

(۱) شمار نمبر ۱ تا ۷ یعنی علوم مذہبی تا نصاب و اشغال روحانی کے سات ستونوں پر قائم شاکلہ (Infrastructure) ـــــــ اور

(۲) شمار نمبر ۸ تا ۹ یعنی مشائخ اور علماء کی شناخت (Identity) اور رویہ (Behaviour) پر تشکیل پایا مزاج (Psyche) اور طبع (Ethos)۔

(۷) مذکورہ سات شاکلے (Infrastructure) اور دو شناخت اور رویہ پر قائم مزاج اور طبع معاشرے میں اس قدر راسخ اور مستحکم ہو گئے کہ انھوں نے جارحانہ صورت اختیار کر لی۔ 661 عیسوی کے بعد یہودی علماء اور مشائخ نے ان شاکلوں اور شناخت اور رویوں کو مذہب کے آلہ جات (Tools) کی صورت میں مذہب کی مدد کے لئے بنایا تھا جس کا مقصد تھا اسلام دین اللہ کو ختم کر دینا۔ چنانچہ ان آلہ جات کی مدد سے تشکیل دیئے گئے مذہب اسلام نے اسلام دین اللہ کو نگل لیا۔ لیکن اب دوسری صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اب ان آلہ جات نے خود مذہب اسلام کو نگلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ مذہب کے آلۂ کار سے اٹھ کر یہ پہلے مذہب ہوئے، اس کے بعد انہوں نے آگے بڑھ کر معاشرے سے ایسے مطالبات شروع کر دیئے جن کا مفہوم یہ تھا کہ یہ خود دین ہیں۔

(۸) 1000 عیسوی آتے آتے یہ نو عوامل معاشرے میں اس قدر راسخ اور مستحکم ہو گئے کہ جب بعض صالح علماء اور مشائخ نے ان عوامل کی حقیقت اور ان کے مفاسد پر مطلع ہو کر اصلاح کی کوشش کی تو وہ اوّل وہلہ میں ناکام ہو گئے۔

(۹) چنانچہ 1000 عیسوی کے بعد یہ سات عوامل اور دو شناخت اور رویئے مسلم معاشرے کی نفسیات (Psyche) کا جزو لا ینفک بن گئے۔

(۱۰) اسلام ـــــ دین اللہ ـــــ اور یہ نو عوامل باہم بالکل مخالف ہیں۔ اسلام ـــــ دین اللہ کی خصوصیات ہیں:

(۱) اللہ و رسول کی اطاعت

(۲) ایمان

(۳) عمل صالح

اس کے برخلاف ان نو عوامل کی خصوصیات ہیں:

(۱) عقیدہ

(۲) تقلید

(۱۱) اسلام دین اللہ کی عمارت 'السمحہ' تین ستونوں پر قائم ہے:

(۱) ستون اول: آیت محکمہ

(۲) ستون دوم: سنت قائمہ

(۱۲) کوبہی مقتدرہ نے ان نو عوامل کی تشکیل دین اللہ کے خاتمہ کرنے کے مقصد سے کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان عوامل کی مدد سے معاشرے میں تین ایسے کام انجام دیئے گئے جو اسلام دین اللہ کا خاتمہ کر دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ تین کام درج ذیل ہیں:

(۱) ایمان کی جگہ عقیدہ کی ترویج اور پھر اس کی توسیع: اسی ترویج و توسیع کو فقہ اکبر کہا جاتا ہے۔

(۲) عمل صالح کی جگہ عملیہ کی ترویج اور پھر اس کی توسیع: اسی ترویج و توسیع کو فقہ اصغر کہا جاتا ہے۔

(۳) مقاصد دین کی جگہ مصالح حکمران وفقیہ کی ترویج و توسیع: مصالح حکمران وفقیہ کی ترویج و توسیع دراصل جہاد کی معطلی، تحدید اور توجیہ جدید تھی۔

(۱۳) ان تین کاموں کے معاشرے میں راسخ ہوتے ہی اسلام ـــــــ دین اللہ کا باغ اجڑ گیا۔ معاشرہ میں کلمۂ طیبہ (ابراہیم ۲۴) کی جگہ کلمۂ خبیثہ (ابراہیم ۲۵) کی بہار آ گئی۔

کلمۂ خبیثہ کی تین خصوصیات ہوتی ہیں:

(۱) رسوم (Rituals)

(۲) توہم (Superstition)

(۳) تفریق (Dissension)

(۱۴) جب معاشرہ اسلام ـــــــ دین اللہ یعنی 'السمحہ' پر قائم ہوتا ہے تو اس کے رگ و پے میں آیت محکمہ، سنت قائمہ اور فریضۂ عادلہ کا خون جوش مارتا ہے اور معاشرہ کا ہر عضو قرآن، سنت رسول، قول رسول، شرعہ، منہاج اور مقاصد دین سے مربوط ہوتا ہے۔ پورے معاشرے میں آیت محکمہ، سنت قائمہ اور فریضۂ عادلہ کی حرارت درج ذیل امور کے تعلق سے معاشرے کو پوری طرح بیدار اور متحرک رکھتی ہے:

(۱) حفاظت، اقامت اور توسیع عدل

(۲) مراقبت عامہ وخاصہ

(۳) استعداد

(۴) جہاد

(۱۵) اس کے برخلاف ان نو عوامل کی حرارت سے متحرک معاشرے کی بنیاد 'عقیدہ' اور 'تقلید' پر ہوتی ہے لہذا اس میں 'مفاد حاکم' اور 'مفاد فقیہ' کو 'حاکمیت اعلیٰ' (Sovereignty) حاصل ہوتی ہے۔ اسی صورتحال کو قران نے آل عمران آیت ۶۴ اور التوبہ آیت ۳۱ میں "ارباباً من دون اللہ" سے تعبیر کیا ہے۔ 'مفاد حاکم' اور 'مفاد فقیہ' کی اس حاکیت اعلیٰ میں ———

(۱) حفاظت، اقامت اور توسیع عدل،

(۲) مراقبت عامہ وخاصہ،

(۳) استعداد اور

(۴) جہاد کے لئے فرصت ہوتی ہے نہ رجحان۔ لہذا پورے معاشرے میں 'السحۃ' یعنی آیت محکمہ، سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ کی کھیتی اجڑ جاتی ہے اور دین معطل محض ہو کر رہ جاتا ہے۔

(۱۶) مذہب کا مزاج دین مخالف ہوتا ہے اس لئے مفاد مذہب یعنی مفاد حاکم اور مفاد فقیہ کا مزاج بھی دین مخالف ہوتا۔ لہذا اس ذہن وفکر کے نظام میں دین اللہ کے تعلق سے مذہب کا رویہ منفرد ہوتا ہے۔ 661 عیسوی کے بعد امت مسلمہ کی تاریخ ان کے اس منفرد رویہ کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ ان کا منفرد رویہ درج ذیل ہے:

(۱) انہدام قران وانہدام نظام قران:

اس تعلق سے یہ دونوں طبقات یا تو عامل ہوتے ہیں یا معاون یا تماشائی۔

(۲) انہدام سنت وانہدام نظام سنت:

اس تعلق سے یہ دونوں طبقات یا تو عامل ہوتے ہیں یا معاون یا تماشائی۔

(۳) انہدام حکومت عادلہ:

اس تعلق سے یہ دونوں طبقات یا تو عامل ہوتے ہیں یا معاون یا تماشائی۔

(۴) صلاح امت کی برقراری:

اس تعلق سے یہ دونوں طبقات یا تو غیر جانب دار ہوتے ہیں یا مفسد سے چشم پوشی کرنے والے۔

(۵) اتحادامت کا قیام:

اس تعلق سے یہ دونوں طبقات در پردہ مخالف ہوتے ہیں یا علانیہ۔

(۶) اتحاد تفکیر، تدبیر و تعمیل:

اس تعلق سے یہ دونوں طبقات در پردہ مخالف ہوتے ہیں یا علانیہ۔

(۱۷) چودہ سو سالوں کی اسلامی تاریخ ان دونوں طبقات کے تعلق سے کچھ عجیب و غریب اور حیران کن باتوں کا انکشاف کرتی ہے۔وہ حیران کن باتیں درج ذیل ہیں:

(۱) حکمراں دین کے ازلی مخالف نہیں ہوتے جب کہ علماء اور مشائخ ازلی،

(۲) حکمراں دین کے مستقل مخالف نہیں ہوتے جب کہ علماء و مشائخ مستقل،

(۳) حکمراں کی دین سے مفاہمت ہو جاتی ہے علماء و مشائخ کی کبھی نہیں ہوتی،

(۴) حکمراں کی دین سے مفاہمت ممکن ہے علماء و مشائخ کی ناممکن۔

کوکبی کامیابی

(۱) کوکبی مقتدرہ کے ذریعہ 661 عیسوی میں لائے گئے انقلاب معکوس (Counter-Revolution) کے مخصوص اہداف اور مقاصد تھے۔ ان کے اس مشن کو کوکبی مقتدرہ کے ذریعہ ہی منصہ شہود پر لائے گئے دو طبقوں ـــــ مذہبی حکام اور مذہبی علماء ومشائخ کو آنے والے دنوں میں پورے کرنے تھے جسے انہوں نے پوری طرح انجام دیئے۔ کوکبی مقتدرہ کے یہ مخصوص اہداف اور اقدامات دو عنوانات کے تحت آتے ہیں:

(۱) اسلام دین اللہ اور امت وسط کے خاتمے کے حوالے سے فوری اقدامات۔

(۲) اسلام دین اللہ اور امت وسط کے خاتمے کے حوالے سے طویل مدتی اقدامات۔

ان دونوں اہداف اور ان کے حوالے سے کئے گئے اقدامات میں کوکبی مقتدرہ نے مخصوص طریقہ کار، فنی مہارت اور مناہج کا بھرپور استعمال کیا جس کا اسے طویل تجربہ تھا۔

(۲) کوکبی مقتدرہ کو دین اللہ پر ضرب کاری لگانے اور دین سے وابستہ اور اس کی شناخت رکھنے والی امت کو برباد کردینے کا وسیع تجربہ ہے۔ اس حوالے سے ان کے پاس دو مخصوص طریقوں کا بھرپور استعمال پایا جاتا ہے۔ یہ مخصوص طریقے درج ذیل رہے ہیں:

(۱) اسلام کی امیت سازی — Vulgarisation/ Lumpenisation of Islam

(۲) اسلام کی جاہلی توجیہ سازی — Gentilisation of Islam

چنانچہ کوکبی مقتدرہ کی پوری فوج نے اپنے اعوان؛ وانصار کے ساتھ مل کر ان دو عنوانات کے ذیل

میں اپنی بھرپور کارروائی کا آغاز کر دیا۔

(۳) کوکبی مقتدرہ کا یہ بھی ایک تاریخی طریقہ کار رہا ہے کہ بحران کی ہر گھڑی میں اپنی کارروائیوں کے آغاز پر وہ ہیجانی اور افراتفری کی فضا قائم کر دیتا ہے تاکہ حوادث کی جہت کا کسی کو فوری علم نہ ہو سکے۔ اسی منہج کا استعمال کرتے ہوئے سب سے پہلے کوکبی مقتدرہ نے فوری کارروائی (Crisis Management) کے بطور امت مسلمہ میں دہشت کی حکمرانی (Reign of Terror) کا آغاز کیا۔ اور پھر اس کی آڑ لے کر اپنی قلیل مدتی اور طویل مدتی منصوبوں کو پورا کرنے لگا۔

(۴) اسلام ـــــــ دین اللہ اور امت وسط کے خاتمہ کرنے کی طویل مدتی منصوبہ بندی کے تحت ایسے اہداف کو متعین کیا گیا جنہیں مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کو آنے والے دو سو سالوں میں پایۂ تکمیل تک پہنچانے تھے۔ ان ہمہ جہت اقدامات کے تحت درج ذیل امور آئے:

(۱) اسلام کے تمام ثبوت، آثار اور نشانیوں کو برباد کر دینا اور مٹا دینا۔
(۲) قرآن کے تمام ثبوت، آثار اور نشانیوں کو برباد کر دینا اور مٹا دینا۔
(۳) سنت رسول اللہ کے تمام ثبوت، آثار اور نشانیوں کو برباد کر دینا اور مٹا دینا۔
(۴) سیرت رسول اللہ کے تمام ثبوت، آثار اور نشانیوں کو برباد کر دینا اور مٹا دینا۔
(۵) قول رسول اللہ کے تمام ثبوت، آثار اور نشانیوں کو برباد کر دینا اور مٹا دینا۔
(۶) تاریخ اسلام اور تاریخ امت وسط کے تمام ثبوت، آثار اور نشانیوں کو برباد کر دینا اور مٹا دینا۔

(۵) چنانچہ تاریخ کا غائر مطالعہ اور واقعات و حوادث کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 661 عیسوی میں منصۂ شہود پر آنے والے مذہبی حکام اور مذہبی علماء و مشائخ نے ان منصوبوں کو پوری دیانت داری، وفاداری، تن دہی اور بے جگری سے پورا کیا۔ چونکہ ابتدائی دو سو سالوں میں امت مسلمہ میں تشکیل پانے والا یہ نظام بعد والوں کے لئے مثال اور نمونہ بنا اس لئے یہ طبع دانستہ یا نادانستہ طور پر پوری ملت کی نفسیات کا [illegible] گئی۔ ابتدائی دو سو سالوں میں تشکیل پانے والے اس نظام کے وارث اصلاً مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ قرار پائے۔ اسلام دین اللہ کا خاتمہ کر کے اسلام مذہب کے نام سے کوکبی مقتدرہ کے منصوبوں کے تحت مذہبی حکام اور مذہبی علماء اور مشائخ کی پیدا کردہ یہ نفسیات بعد کے عہد میں پوری ملت اسلامیہ کی نفسیات قرار پائی اور اسے قبول عام ملا۔ حالانکہ اس نفسیات کا اسلام

دین اللہ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نفسیات کو ذیل میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

(۱) تحفیظ مخالف — Anti-Preservative or Preservation fearing
(۲) تحقیق مخالف — Anti-Research or Probe fearing
(۳) تعیین مخالف — Anti-Accuracy or Anti-Precision or Precision fearing
(۴) تجزیہ مخالف — Anti-Analysis or Analysis fearing
(۵) استدراک مخالف — Anti-Emendation or Rectification fearing
(۶) احتساب مخالف — Anti- Assessment or Assessment fearing
(۷) مراقبت مخالف — Anti-Watchful or Watchfulness fearing
(۸) استعداد مخالف — Anti-Preparation or Preparation fearing

661 عیسوی کے بعد کوکبی مقتدرہ کی راست نگرانی میں مذہبی حکام اور مذہبی علماء و مشائخ کے ذریعہ تشکیل پانے والے نظام میں یہ نفسیات اس قدر راسخ اور مستحکم ہوگئی کہ یہی پوری امت کی حاوی نفسیات قرار پائی اور پچھلے چودہ سو سالوں میں امتی سطح پر دین اللہ، قرآن، سنت رسول اللہ، سیرت رسول اللہ، قول رسول اللہ، اسلامی تاریخ اور امت وسط کی تاریخ کے تعلق سے تحفیظ، تعیین، تجزیہ، استدراک، احتساب، مراقبت اور استعداد کے سارے کام کلی طور پر معطل اور مفلوج ہو کر رہ گئے۔

(۶) اسلام کے عہد اول یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، عہد نبوی، عہد ابوبکر، عہد عمر، عہد عثمان اور عہد علی کی کوکبی مقتدرہ کی منصوبہ بندی کے تحت امت پر حاوی مذہبی حکام، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ نے ایسی تصویر کشی کی اور ان کی ایسی تصویر سازی کی کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اسلام پر ضرب لگانے اور اس کی شکل بگاڑنے کے کوکبی منہج 'امیت سازی' (Vulgarisation/Lumpensation) کی یہ کیسی کرشمہ سازی ہے کہ اسلام کا سارا سرمایہ قرون مشہود لھا بالخیر کی اسی تصویر اور نقشے سے بھرا ہوا ہے اس تصویر کو درج ذیل نکات میں یوں ملخص کیا جاسکتا ہے:

(۱) جزیرۃ العرب جاہلوں، ان پڑھوں اور بدویوں کا ایک علاقہ تھا جہاں صرف دو درجن لوگ پڑھنا لکھنا (Three Rs) جانتے تھے

(۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جزیرۃ العرب میں مبعوث ہوئے اور وہ امی یعنی (نعوذ باللہ) پڑھے لکھے نہ تھے۔

(۳) ایسے بدوی اور جاہل ماحول میں جہاں صرف دو دو رجن ایسے لوگ موجود تھے جن کو پڑھنا لکھنا آتا تھا روئے ارض پر بنی نوع انسان میں اللہ کے آخری نبی اور رسول اللہ اور ایک امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری اور سب سے عظیم الشان کتاب قرآن نازل ہوئی۔

(۴) اسلام کے اولین مخاطب عرب کے صحرا میں رہنے والے بدو تھے۔

(۵) اسلام کے آخری نبی اور رسول کی بعثت ایک ایسے ماحول میں ہوئی جہاں بے علمی، توھم اور بت پرستی عام تھی اور ہر جانب اسی کا چرچا تھا۔

(۶) اسلام کے آخری نبی اور رسول کی بعثت اور آخری کتاب کا نزول ایک ایسے ماحول میں ہوا تھا جہاں تہذیب، تمدن، ثقافت اور آداب، ضوابط اور قانون کا دور دور تک کسی کو علم نہ تھا، وہ ماحول پوری طرح بے علم، غیر مہذب، غیر متمدن، غیر مثقف اور لاقانونیت سے بھرا ہوا تھا۔

(۷) قرآن کی اصل زبان عرب کے صحراؤں میں رہنے والے بدوؤں کی زبان تھی۔ صحرا کے وہ بدو ہی قرآن کو خوب سمجھتے تھے۔ لہذا قرآن کے فہم کے لئے اسی جاہلی بدوی زبان، بدوی تہذیب اور بدوی ثقافت کا علم ضروری ہے۔ وہی جاہلی بولی قرآن کے لئے سند اور لغت ہے۔

(۸) عہد نبوی، عہد ابوبکر، عہد عمر، عہد عثمان اور عہد علی کی اور اس دوران رونما ہونے والے واقعات وحوادث کی ایسی تصویر کشی کی گئی گویا یہ دور کسی باضابطہ 'انتظامیہ' سے قطعاً ناآشنا اور نابلد تھا۔ اسلامی تاریخ میں موجود تفصیلات وکوائف سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم کردہ نظام 'الحکم' کی جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر، عمر، عثمان اور علی جیسے خلفاء ملے جو تصویر سامنے آتی ہے اس کی تشبیہ یوں دی جاسکتی ہے:

"یہ کوئی نظام یا 'انتظامیہ' نہ تھی بلکہ گویا گاؤں میں کسی بنئے کی دکان تھی جہاں بنیا صبح سویرے آکر بیٹھ جاتا ہو اور ایک نوکر کی مدد سے سامان بیچتا ہو۔ درمیان میں جب گاہکوں کی بھیڑ کم ہوجاتی تو جاکر اپنے چرنے والے مویشیوں کی بھی خبر گیری کرلیتا ہو، دوپہر کو بنئے کا بیٹا اسے فارغ کردیتا ہوتا کہ وہ کھانا کھالے اور تھوڑا آرام کرلے سہ پہر سے بنیا شام ہونے تک دکان پر بیٹھتا ہو۔"

اسلامی تاریخ میں موجود تفصیلات پڑھ کر عہد نبوی، عہد ابو بکر، عہد عمر، عہد عثمان اور عہد علی کی اور بالخصوص خلفاء کی یہی تصویر ابھرتی ہے۔ بالخصوص درج ذیل واقعات وحوادث کی موجود روداد کو پڑھ کر:

(۱) وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم،
(۲) واقعۂ سقیفہ بنی ساعدہ اور بیعت ابو بکر،
(۳) مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولولو کے ہاتھوں شہادت عمر،
(۴) بیعت خلافت عثمان اور مغیرہ بن شعبہ کی معزولی،
(۵) شہادت عثمان،
(۶) شہادت عثمان اور منصب خلافت کا تین دنوں تک خالی رہنا اور
(۷) تحکیم جنگ صفین۔

(۷) عہد نبوی، عہد ابو بکر، عہد عمر، عہد عثمان اور عہد علی کی ایک وہ تصویر ہے جس کا ذکر ابھی کیا گیا اور جو اسلامی تاریخ اور احادیث کے پڑھنے سے آنکھوں کے سامنے آتی ہے لیکن ایک دوسری تصویر بھی ہے جو اس وقت ابھر کر سامنے آتی ہے جب ہم کثیر منظری۔ تجزیہ (Multi-Vantage-Point Analysis) کا سہارا لیتے ہیں۔ کثیر۔ منظری۔ تجزیہ سے مراد ہے کسی ایک شئی کو بیک وقت کئی مناظر (Vantage Point) سے دیکھنا اور اس کی روشنی میں شئے کی حقیقت سمجھنا۔ ذیل میں یہ عاجز عہد نبوی، عہدِ ابو بکر، عہد عمر، عہد عثمان اور عہد علی کے کثیر۔ منظری۔ تجزیہ کو دو مناظر پر مشتمل تجزیہ کے ذریعہ پیش کرتا ہے۔ یہ دو مناظر ہیں:

(۱) خارجی منظر سے نظر آنے والی تصویر External Vantage-Point Picture
(۲) داخلی منظر سے نظر آنے والی تصویر Internal Vantage-Point Picture

(۸) خارجی منظر سے نظر آنے والی تصویر کی تفصیلات کی تلخیص درج ذیل ہے:

(۱) محل وقوع: مشرق میں دنیا کے دو سپر پاوروں میں ایک یعنی سلطنت ساسانیہ (Sassanian Empire)، شمال اور مغرب میں دوسرے سپر پاور بازنطینی سلطنت (Byzantine Empire) جو مشرقی بازنطینی تہذیب (Eastern Byzantine Civilization) کی امین تھی اور 527 عیسوی کے بعد عظیم مغربی رومی سلطنت (Great

Western Roman Empire) کی بھی امین بن گئی تھی سے تین جانب سے گھرا یہ خطۂ عرب دنیا کے تمام تجارتی قافلوں کی گزرگاہ (Thoroughfare)، تجارتی منڈی (Emporium) اور تمام اسٹرٹیجک امور کا مرکز توجہ تھا۔ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہ تھا جہاں کے لوگ یہاں نہ پائے جاتے ہوں یا جہاں سے ہر سال ان کا گزر نہ ہوتا ہو۔ یہ خطہ دنیا کی تمام تہذیبوں، تمدنوں، ثقافتوں، زبانوں اور نسلوں کا گہوارہ (Cradle) تھا۔ اس وقت دنیا کی ان دو سپر پاوروں کے تمام معتوب اور مظلوم لوگوں کی یہ پناہ گاہ تھا جو دونوں کے علاقوں سے ملحق ہونے کے باوجود محض اپنے Strategic Location کے سبب آزاد علاقہ کی حیثیت سے تسلیم شدہ تھا۔ دونوں سپر پاروں کے معتوب لوگوں کی بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب لوگوں پر مشتمل تھی۔ چنانچہ اس وقت جتنی اعلیٰ تعلیم گاہیں پورے جزیرۃ العرب میں تھیں اتنی تعلیم گاہیں دنیا کے کسی ایک خطے میں کہیں اور پائی نہیں جاتی تھیں۔

(۲) واقعات وحوادث:

576: سارے یمن پر ساسانی سلطنت کا قبضہ۔

578-590: ہرمز پنجم ساسانی سلطنت کا فرمان روا ہوا۔ تقریباً چھ لاکھ اعلیٰ تعلیم یافتہ یہودی عراق سے نقل مکانی کر کے جزیرۃ العرب کے تقریباً ہر خطے میں پھیل گئے۔

589-618: عظیم ساسانی سلطنت کا سب سے عظیم الشان بادشاہ خسرو پرویز (خسرو ثانی) سریر آراء سلطنت۔ ساسانی سلطنت کا نصف النہار۔

610: ذوقار کے مقام پر عرب فوجوں اور ساسانی فوج میں محاذ آرائی۔

610-620: عظیم ساسانی سلطنت کی فتوحات کا سیلاب، بازنطینی سلطنت کی پے در پے شکست۔

(۱) (611) انطاکیہ (Antioch) اور اپامیہ (Apamia) کا سقوط۔

(۲) (612) کپاڈوکیہ (Cappadocia) پر حملہ۔

(۳) (614) دمشق پر قبضہ۔

(۴) (615) یروشلم پر قبضہ اور صلیب اصلی (True Cross) پر قبضہ۔

(۵) (615) پیلوسیم(Pelusiuın)اوراسکندریہ پر قبضہ۔

(۶) (616) مصر پر قبضہ۔

(۷) (617) کالکیڈون(Calcedon) پر قبضہ۔

(۸) (617) ساسانی فوج قسطنطنیہ سے ایک میل کے فاصلے پر۔۔۔ بازنطینی سلطنت میں کہرام۔

(۹) (620) انقرہ اور روڈس(Rhodes) پر قبضہ۔

620: عظیم بازنطینی سلطنت کی حالت زار۔

612-627: ہرقل کے مشہور زمانہ مہمات:

(۱) (622) ساسانی جنرل شہر براز کو اسوس(Issus) میں شکست۔

(۲) (623) لازقہ(Lazica) اور آرمینیا پر فوج کشی۔

(۳) (623) خسرو پرویز کی پسپائی۔

(۴) (624) آرمینیا پر دوسری فوج کشی۔

(۵) (624) شہر براز کی دوسری شکست۔

(۶) (624) ارزنین (Arzanene) پر حملہ Amida اور Martyropolis پر قبضہ، Cilesia پر حملہ۔

(۷) (625) جنگ سروس(Sarus)، شہر براز کی پسپائی۔

626: عظیم ساسانی سلطنت اور اواروں(Avars) کے مابین تحالف۔

626: ساسانیوں اور اواروں کا دو جانب سے عظیم بازنطینی سلطنت پر حملہ اور جنگ قسطنطنیہ۔ ساسانیوں اور اواروں کی شکست اور ناکامی۔

627: بازنطینی سلطنت کا پیش قدمی کر کے اسیریا(Assyria) اور میسوپوٹامیہ(Mesopotamia) پر حملہ، نینوا(Naneveh) کے قریب ساسانیوں کو شکست، خسرو پرویز کا فرار، ہرقل کی مدائن(Ctesiphon) تک پیشقدمی، خسرو پرویز کا قتل۔

628-629:

(۱) (628) قباد دوم کا ہرقل سے سمجھوتہ، قباد کے ذریعہ اپنے بھائیوں کا قتل۔

(۲) (629) طاعون کی وباء کا پھوٹ پڑنا۔

(۳) (629) شہر براز کی بغاوت اور اس کا قتل۔

(۴) خسرو پرویز کی دو بیٹیوں پوران دخت اور آزرمی دخت کی حکومت۔

629-634: عظیم ساسانی سلطنت میں طوائف الملوکی۔

634-642: ساسانی تخت پر خسرو پرویز کا پوتا یزدگرد سوم تخت نشین۔

(۹) داخلی منظر سے نظر آنے والی تصویر کی تفصیلات کی تلخیص درج ذیل ہے:

570-632: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش (570)۔

611: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت۔

616: ہجرت حبشہ۔

618: شعب ابی طالب میں محصور ہونا۔

620: بیعت عقبہ اولیٰ۔

622: بیعت عقبہ ثانیہ اور ہجرت۔

624: غزوۂ بدر۔

625: غزوۂ احد۔

627: غزوۂ احزاب۔

627: دنیا کے مختلف خطوں، ملکوں، مذاہب اور قبائل کے سربراہوں کو نبوی خطوط جن میں دنیا کے دو سپر پاورس عظیم سلطنت ساسانیہ اور عظیم سلطنت بازنطینیہ کے سربراہان بھی شامل تھے۔ انہیں اسلام کی جانب دعوت، خطوط اور وفود کی روانگی۔

628: دنیا کے مختلف خطوں، ملکوں، مذاہب اور قبائل کے سربراہوں کو لکھے خطوط کے جواب میں ان کی جانب سے جوابی خطوط اور تحائف اور وفود کی آمد کا آغاز۔

628: صلح حدیبیہ۔

629: فتح مکہ۔

630: غزوۂ تبوک میں عظیم بازنطینی سلطنت سے عہد نبوی میں پہلی محاذ آرائی۔

632: وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم۔ بیعت ابوبکر۔ جیش اسامہ کی روانگی۔

633: لخمی سلطنت حیرہ پر قبضہ۔ ابلہ پر قبضہ۔

634: غازہ اور یروشلم کے مابین اجنادین میں بازنطینی سلطنت کو زبردست شکست، ابوبکر کی وفات۔ بیعت عمر۔

635: دمشق کے قریب مرج الصفر میں بازنطینی سلطنت کو شکست فاش۔

636: یرموک میں بازنطینی سلطنت کو شکست فاش۔

637: دمشق اور Emessa پر دوبارہ قبضہ۔ شمالی سوریا پر قبضہ۔ حلب اور انطاکیہ پر قبضہ۔

638: یروشلم پر قبضہ۔

639: مصر پر پہلا حملہ۔

640: قیصریہ پر قبضہ۔

640: (۱) مصر پر دوسرا حملہ (پیلوسیم) (Pelusium) پر قبضہ۔

(۲) ہیلیو پولس (Heliopolis) میں بازنطینی سلطنت کو شکست۔

639-641: مغربی عراق پر قبضہ۔ میسوپوٹامیہ پر قبضہ۔

635-637: عراق پر حملہ۔

(۱) (635) بویب میں ساسانی فوج کو شکست۔

(۲) (637) قادسیہ میں ساسانی جنرل رستم کو شکست۔

(۳) (637) مدائن (Ctesiphon) پر قبضہ۔

(۴) (637) جلولہ میں ساسانی سلطنت کو شکست۔

638-650: وسطی فارس پر حملہ اور قبضہ۔

641: بازنطینی فرماں روا ہرقل کی موت۔

642: نہاوند میں عظیم ساسانی سلطنت کو آخری شکست۔

642: بابل پر قبضہ۔

642: اسکندریہ کے بطریق کے ذریعہ مصر کی حوالگی۔

644: شہادت عمر، بیعت عثمان۔

642-643: برقہ اور پینٹاپولس (Pentapolis) پر قبضہ۔

645: اسکندریہ کی بغاوت، دوبارہ قبضہ۔

645: پہلا عربی جہازی بیڑا کی تشکیل۔

649: قبرص پر قبضہ۔

650: ارادوس (Aradus) پر قبضہ۔

655: عظیم بازنطینی سلطنت کے دار السلطنت قسطنطنیہ پر حملہ، بازنطینی بحری بیڑے کی ذات السواری میں شکست۔

656: مدینہ کا محاصرہ، مدینہ میں شورش، شہادت عثمان، تین دن تک منصب خلافت خالی۔ انعقاد بیعت علی۔

657: جنگ جمل۔

657: جنگ صفین اور تحکیم۔

660: Adhruh میں صلح۔

661: شہادت علی۔

(۱۰) ایک جانب ان دو مناظر سے نظر آنے والی تصویر ہے اور دوسری جانب وہ تصویر ہے جو مختلف موقعوں پر اسلامی تاریخ میں وقوع میں آنے والے واقعات و حادثات سے متعلق پیش کی جاتی ہے۔ ایسے چند واقعات و حوادث کی تصویر درج ذیل ہے:

(۱) تصویر اول: وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مدینہ، مکہ اور پورے جزیرۃ العرب کی بالعموم اور مسجد نبوی اور حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد کی بالخصوص نظر آنے والی تصویر۔

(۲) تصویر دوم: وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند گھنٹوں کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ

میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی نظر آنے والی تصویر۔

(۳) تصویر سوم: مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولؤلؤ (فیروز) کے ہاتھوں شہادت عمر کے موقعہ پر نظر آنے والی تصویر۔

(۴) تصویر چہارم: محاصرۂ مدینہ: شورش مدینہ، شہادت عثمان اور تین دنوں تک منصب خلافت کے خالی رہنے کی نظر آنے والی تصویر۔

(۵) تصویر پنجم: تین دن بعد بیعت علی کے انعقاد اور مبینہ اعتراضات طلحہ وزبیر بن العوام کی نظر آنے والی تصویر۔

(۶) تصویر ششم: جنگ جمل کی نظر آنے والی تصویر۔

(۷) تصویر ہفتم: جنگ صفین کی نظر آنے والی تصویر۔

(۸) تصویر ششم: جنگ صفین میں تحکیم، صورت تحکیم، اصول وضوابط تحکیم، انعقاد تحکیم اور نتائج تحکیم کی نظر آنے والی تصویر۔

(۹) تصویر نہم: علی، معاویہ، عمرو بن العاص پر مبینہ جان لیوا حملہ کرنے اور شہادت علی، جراحت معاویہ اور شہادت خارجہ بن حذافہ کی نظر آنے والی تصویر۔

(۱۱) تاریخ اسلامی اور احادیث میں اس تصویر کشی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ:

نبی آخر الزماں، سردار ابنیاء، مہبط قرآن اور ساری دنیا کی مملکتوں بالخصوص اپنے عہد کے دو سپر پاورس کے سربراہوں کو براہ راست اسلام کی دعوت دینے والے، دنیا کے اس وقت کے سب سے بڑے مذہب کے روحانی پیشوا کو 'اسلم تسلم' کہہ کر اسلام پیش کرنے والے کے ذریعہ قائم کردہ 'انتظامیہ' اور اس کی تابعیت میں دیکھتے دیکھتے ساسانی اور بازنطینی سلطنت جیسے سپر پاوروں کو ختم کر دینے والے خلفاء کی 'انتظامیہ' اور وہ ایسی ہو کہ جہاں:

(۱) مرکزی سول انتظامیہ ہو نہ اس کا چین آف کمانڈ (Chain of Command)، نہ اس کے شعبہ جات، نہ شعبہ جات کے ذمہ داران، نہ ہر شعبے کے ماہرین کی شوریٰ، نہ ماہرین کے پول (Pool) اور نہ دیگر متعلقہ اہل کار۔

(۲) صوبہ جاتی سول انتظامیہ ہو، نہ ان کے چینز آف کمانڈس (ChainsofCommands) نہ ان کے شعبہ جات، نہ شعبہ جات کے ذمہ داران، نہ ہر شعبے کے ماہرین کی شوریٰ، نہ ماہرین

کے پول(Pool)اور نہ دیگر متعلقہ اہل کار۔

(۳) ضلعی، مقامی اور بلدیاتی سول انتظامیہ ہو، نہ ان کے چینز آف کمانڈس (Chains of Commands) نہ ان کے شعبہ جات، نہ شعبہ جات کے ذمہ داران، نہ ہر شعبے کے ماہرین اور نہ دیگر متعلقہ اہل کار۔

(۴) مرکزی وزارت داخلہ ہو، نہ اس کے ذمہ داران ، نہ اس کا چین آف کمانڈ(Chain of Command)، نہ اس کے شعبہ جات، نہ شعبہ جات کے ذمہ داران، نہ ہر شعبہ کے ماہرین کی شوریٰ۔ نہ تعمیل کرنے والے اہل کار، نہ متعلقہ شعبوں کے ماہرین اور دیگر انتظامی امور سے متعلق افراد کے پولز(Pools)۔

(۵) مرکزی داخلی سیکورٹی کی وزارت ہو، نہ اس کے ذمہ داران، نہ اس کی مستقل اپنے کمانڈ میں فوج اور اس کی چین آف کمانڈ(Chain of Command)۔

(۶) پوری مملکت، اس کے صوبوں، ضلعوں، اور دارالسلطنت مدینہ میں نہ جنرل ایڈمنسٹریشن کے محکمے ہوں نہ اس کی چینز آف کمانڈز، نہ ان کی شوریٰ، نہ انتظامیہ، نہ اہل کار۔

(۷) پوری مملکت اور اس کے صوبوں، ضلعوں اور دارالسلطنت میں مرکزی کمانڈ میں نہ مستقل کوئی فوج(Standing Army) ہو نہ عسکری چین آف کمانڈ اینڈ کنٹرول، نہ عسکری ماہرین ہوں، نہ عسکری Garrison ہو، نہ فوجی تربیت ہو، نہ عسکری سراغرسانی (Military Intelligence) کا شعبہ اور اس کے اہل کار ہوں۔

(۸) پوری مملکت اس کے صوبوں، ضلعوں اور بالخصوص دار السلطنت میں پولس فورس(Police Force) ہو، نہ مرکزی پولیس فورس ہو، نہ صوبجاتی، نہ ضلعی، نہ مقامی اور نہ مدینہ کی بلدیاتی نہ اس کا سراغرسانی کا شعبہ ہو نہ اس کے اہل کار۔

(۹) مرکزی سول ایڈمنسٹریشن کا سراغرسانی کا شعبہ (IB) ہو نہ صوبجات، نہ ضلعی نہ مقامی اور نہ مدینہ کی بلدیاتی۔ نہ اس کے اہل کار ہوں نہ تعمیل کرنے والی انتظامیہ۔

(۱۰) خلافت کی نہ مرکزی چین آف کمانڈ اینڈ کنٹرول ہو نہ اس کی Heirarchy ہو نہ صوبوں کی، نہ مقامی اور نہ مدینہ کی بلدیاتی۔

(۱۱) پوری خلافت میں مرکزی سطح پر کوئی سیکریٹیریٹ(Secretariat) ہو نہ صوبجاتی

سطح پر، نہ ضلعی و مقامی سطح پر اور نہ مدینہ کی بلدیاتی سطح پر۔ نہ ان کے اہل کار ہوں نہ ان کی چین آف کمانڈ ہو نہ ان کی Heirarchy ہو۔

(۱۲) پوری خلافت میں مرکزی سطح پر رجسٹری (Registry) ہو نہ صوبجاتی، نہ ضلعی اور نہ مقامی۔

(۱۳) پوری خلافت میں مرکزی سطح پر نہ ریکارڈ کا محکمہ ہو نہ اس کے دفاتر نہ صوبجاتی سطح پر نہ مقامی اور بلدیاتی سطح پر۔ ایسا دفتر جہاں تمام سرکاری کاغذات، خطوط، احکامات کی اصل، مہریں اور دیگر نشانات محفوظ رکھے جاتے ہوں۔ پوری خلافت میں کوئی ایسا دفتر نہ ہو جہاں اصلی اور جعلی چیزوں کی پرکھ کی جاتی ہو یا جہاں سے روک تھام کی تدبیریں کی جاتی ہوں۔

(۱۴) پوری خلافت میں آڈیٹر جنرل اور کمپٹرولر جنرل (Auditor & Comptroller General) کا دفتر ہو نہ اس کے ذمہ داران اور مرکزی، صوبجاتی اور مقامی سطحوں پر اس کے اہل کار۔

(۱۵) پوری خلافت کی سرحدوں کی نگرانی پر کوئی مامور ہو نہ اس کا کوئی شعبہ ہو جو سرحد میں داخل ہونے والوں پر نگرانی رکھے۔

(۱۶) پوری خلافت کے اندر حادثات (Accidents) اور Disaster سے نبرد آزما ہونے کے لئے کوئی انتظامیہ ہو نہ اس کے اہل کار۔

(۱۷) کیا ساری دنیا کو دعوت اسلام دینے والے، اپنے ہم عصر سپر پاورس پر باضابطہ سرکاری تبصرہ کرنے والے (هلک کسری ولا کسری بعده و هلک قیصر ولا قیصر بعده) اور تبوک میں عظیم بازنطینی سلطنت سے مقابلہ آراء ہو جانے والے نبی اور منتظم کی انتظامیہ اور 'الحکم' کی یہ تصویر ہو سکتی ہے؟

کیا آناً فاناً دو سپر پاورس کو خاک میں ملا دینے والے خلفاء کی انتظامیہ کی یہ تصویر ہو سکتی ہے؟ اس عاجز کی رائے ہے کہ کم از کم ایک صحیح الدماغ آدمی احادیث اور اسلامی تاریخ میں پیش کردہ ان تصویروں کو پہلی ہی نظر (Prima Facie) میں رد اور مسترد کر دے گا، اور ان لوگوں کی عقل اور نیت پر شک کرے گا جو انھیں پیش کرنے اور انھیں درست باور کرانے پر اصرار کرتے ہیں۔

تحقیق مخالف نظام

(۱) سن 661 عیسوی میں کوبی متقدرہ کے 'انقلاب معکوس' کی کامیابی کے بعد مذہبی حکام اور مذہبی علماء ومشائخ کے ذریعہ ـــــ جن میں چھپے ہوئے یہودی علماء اور مشائخ کی بہت بڑی تعداد تھی ـــــ امت مسلمہ میں ایک ہمہ گیر ''تحقیق مخالف یا تحقیق خائف نظام'' (Anti-Research/Probe or Probe-phobic Order) کی بنا ڈالی گئی۔ یہ نظام ہر طرح کی غیر جانبدارانہ تحقیق اور کسی حقیقت کے کنہہ تک رسائی سے خائف اور ایسی تحقیق کرنے کا مخالف تھا۔

(۲) اس 'تحقیق مخالف یا تحقیق خائف نظام' کے قیام کا بنیادی ہدف تھا:

(۱) اسلام ـــــ دین اللہ،

(۲) قران،

(۳) سنت رسول اللہ،

(۴) سیرت رسول اللہ،

(۵) نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم کردہ 'الحکم'،

(۶) 'الصلوۃ' اور

(۷) نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں 'میثاق محمدی' کی تکمیل کے لئے برپا کردہ 'امت وسط' ـــــ

ـــــ کی حقیقت اور اصلیت تک رسائی سے روکنا، ـــــ نیز

ـــــ ان پروار داور عارض ہونے والے واقعات وحادثات کی تحقیقی اور غیر جانبدارانہ تحقیق اور حقائق کے کنہہ تک رسائی سے روکنا،

ـــــ ان پروار داور عارض ہونے والے واقعات وحادثات کی حقیقت سے دنیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے اور آئندہ آنے والے مخلص اہل ایمان کو آگاہ ہونے سے روکنا ـــــ اور

ـــــ سازش، اس کی اصلیت، منصوبہ بندی کرنے والوں، انھیں روبہ عمل لانے والوں کی حقیقت اور شناخت تک رسائی سے روکنا۔

(۳) چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ 661 عیسوی سے ابتک (2006) ہر چند کہ امت مسلمہ پر ہولناک سے ہولناک آفت آئی اور بڑے سے بڑے حادثات ہوئے لیکن اس 'تحقیق مخالف نظام'، اس کے قواعد وضوابط، عقاید وآداب اور سب سے زیادہ اس پر مسلط مذہبی حکام اور مذہبی علماء ومشائخ کے رویوں نے ـــــ

(۱) حادثات کے وقوع پزیر ہوتے وقت،

(۲) نہ حادثات کے وقوع پزیر ہونے کے فوراً بعد،

(۳) نہ حادثات کے وقوع پزیر ہونے کے سالوں بعد،

(۴) نہ حادثات کے وقوع پزیر ہونے کے سینکڑوں سال بعد،

(۵) نہ حادثات کے وقوع پزیر ہونے کے چودہ سو سال بعد،

کبھی اس کی اجازت دی کہ ایسی کوئی تحقیق ہو اور اصل حقائق دریافت کئے جائیں اور انہیں پوری امت مسلمہ کے سامنے لایا جائے۔ ایسی اجازت دینا تو دور کی بات ہے ایسی کوششوں کو کبھی گوارا کیا گیا نہ ایسی کوشش کرنے والوں کو۔

(۴) اس مقام پر یہ عاجز ایسی تحقیقات اور تحریروں کا ذکر نہیں کر رہا ہے جو مناظراتی اور حزبی ہیں۔ تحقیق سے عاجز کی مراد درج ذیل اقسام کی تحقیقات ہیں:

(۱) خلافتی تحقیق: خلافتی تحقیق سے مراد وہ تحقیق ہے جو امت مسلمہ میں اعلیٰ ترین سطح سے براہ راست کی جاسکتی ہے اور جس میں سرکار یعنی حکمراں یا حکومت تک کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ موجودہ عہد میں اسے ریاستی تحقیق (State Investigation) کہا جاتا ہے جس سے گورنمنٹ (Government) کو کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ انسانی تاریخ میں گزشتہ پانچ ہزار سالوں

سے زیادہ عرصے میں ایسی تحقیق کی مثالیں ملتی ہیں۔

(۲) امتی تحقیق: امتی تحقیق سے مراد ایسی تحقیق ہے جو کسی فریق کی جانب سے نہ ہو حتی کہ اگر ریاست (State) اور حکومت (Government) کی جانبداری پر بھی سوالیہ نشان لگ جائے تو پوری امت مسلمہ کے غیر جانبدار، دیانت دار، اظہار حق میں جری اور باخبر لوگوں کی جانب سے ایسی تحقیق کی جائے۔ پوری امت کی اس میں شراکت ہو۔ غیر جانبدار، تجربہ کار، دیانت دار اور ماہرین فن اس میں شریک ہوں۔ ہر ہر جز اور پہلو پر ماہرانہ نظر رکھی جائے، تجزیے کئے جائیں اور ہر امر سے متعلق تفصیلات مرتب کی جائیں اور بالآخر ان سب کے نتیجے میں ایک غیر جانبدارانہ رپورٹ اور اصل حقائق کی تفصیل سامنے آئے۔ جب تاریخ میں چھوٹی قوموں میں ہونے والے واقعات کی گزشتہ تین ہزار سال قبل کی جانے والی ایسی تحقیقات کی مثالیں پائی جاتی ہیں تو پھر صرف پندرہ سو سالوں قبل دو سپر پاورس کے جوار میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں برپا ہونے والی امت مسلمہ میں ایسی تحقیق کیوں نہیں ہوئی۔

(۳) متعدد زمانی تحقیق: متعدد زمانی تحقیق سے مراد الگ الگ وقتوں میں نئے حالات، نئے واقعات، تفصیلات اور حقائق کے سامنے آنے کے نتیجے میں ہونے والی اولین، ثانوی یعنی نظر ثانی کی حامل اور تجزیاتی تحقیقات ہیں۔ انسانی تاریخ میں بلافصل پانچ ہزار سالوں سے اس کی روایت چلی آتی ہے۔ اس طرح کی تحقیقات کم از کم تین اقسام کی ہوتی ہیں:

(۱) فوری تحقیق: یہ وہ تحقیق ہے جو وقوعہ کے فوراً بعد اسی لمحے اور موقعہ واردات سے شروع ہوتی ہے اور زیادہ سے زیادہ دس سال میں ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) مستقبل قریب کی نظر ثانی کی حامل تحقیق: یہ وہ تحقیق ہے جو نئے حالات اور نئے حقائق کے سامنے آنے کے بعد فوری تحقیق کے تجزیہ پر نظر ثانی کے تقاضا کے تناظر میں از سر نو شروع ہو جاتی ہے اور زیادہ سے زیادہ چالیس پچاس سالوں میں پوری ہو جاتی ہے۔

(۳) مستقبل بعید کی ہمہ جہت تحقیق: یہ وہ تحقیق ہے جو زمانہ گزرنے، حالات کے تبدیل ہونے یا یکسر بدل جانے، وقوعہ سے متعلق افراد یا ان کے نظام کے بدل جانے کے بعد سینکڑوں اور ہزاروں سالوں کے دوران ہوتی ہے۔

(۴) دنیا میں جب بھی کوئی واقعہ یا حادثہ رونما ہوتا ہے تو اس واقعہ سے متعلق معلومات اور حقائق کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) پہلی قسم: ایسی معلومات یا حقائق کی خبر جو سب کو ہوتی ہے۔

(۲) دوسری قسم: ایسی معلومات کی خبر جو کسی فرد یا بعض افراد اور طبقات کے پاس مخفی ہوتی ہے۔ ایسی معلومات بعد میں کسی موقعہ پر ظاہر ہوتی ہیں جنھیں عرف عام میں اظہار حقائق (Declassification) کہا جاتا ہے۔ دنیا میں اظہار حقائق (Declassification) کے چند معروف طریقے رائج رہے ہیں مثلاً:

(۱) باضابطہ سرکاری اظہار حقائق: اظہار حقائق کی یہ وہ قسم ہے جس کے تحت سرکاری معلومات کچھ عرصے کے بعد ظاہر کر دی جاتی ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) باضابطہ سرکاری اظہار حقائق قسم اوّل: جب کوئی نظام خود باضابطہ طور پر ایک مدت معین پر اظہار حقائق کر دیتا ہے۔

(ب) باضابطہ سرکاری اظہار حقائق قسم دوم: جب کوئی نظام اپنے ماقبل کے نظام میں ہونے والے واقعات سے متعلق حقائق کا اظہار کرتا ہے۔

(۲) تبدیلیٔ حالات کے تحت اظہار حقائق: جب معاشرے کے حالات بدل جائیں تو وہ افراد یا طبقات جن کے پاس حقائق مخفی ہیں انھیں ظاہر کر دیں یا حقائق ظاہر ہو جائیں۔

(۳) معترفانہ اظہار حقائق: اظہار حقائق کی یہ وہ قسم ہے جس میں کسی بڑے سے بڑے جرم میں ملوث شخص بھی موت کے وقت اپنے جرم کا اقرار اور حقائق کا اظہار کر دیتا ہے اور اعتراف کر لیتا ہے کہ اس نے ایسا جرم کیا ہے یا فلاں جرم میں اس کا ہاتھ تھا۔ عام طور پر موت کا وقت دنیوی مفاد کے احساس کے کمزور تر ہو جانے، ضمیر اور نفس لوامہ کے قوی تر ہو جانے اور موت اور مکافات کے احساس کے مستولی ہو جانے کا وقت ہوتا ہے۔

عاجز کو منشی پریم چند کے مشہور افسانہ 'راہ نجات' کے دو کرداروں کی اس وقت بے حد یاد آ رہی ہے جو یوں مکالمہ کرتے ہیں:

پہلا کردار: تمہاری بچھیا کو میں نے زہر دیا تھا۔

http://www.asraralam.net/

دوسرا کردار: میں جانتا ہوں۔

دوسرا کردار: تمہارے کھلیان میں میں نے آگ لگائی تھی۔

پہلا کردار: مجھے معلوم ہے۔

پھر دونوں سو جاتے ہیں۔

کیا نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں کسی پر ضمیر اور نفس لوامہ کا اتنا احساس بھی طاری نہ ہوسکا؟

ایسا نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے۔ لیکن اصل سوال اس کا ہے کہ وہ کون لوگ اور کون طبقات تھے جنھوں نے ان حقائق کو کبھی سامنے آنے اور شائع ہونے نہیں دیا اور ہمیشہ حقائق پر پردہ ڈالنے کے لئے اوچھی سے اوچھی حرکتوں پر اتر آتے رہے؟

(۵) امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کا یہی سب سے بڑا سوال اور سب سے بڑا المیہ ہے:

آخر وہ کون لوگ، طبقات اور قوتیں تھیں جن کو اصل حقائق کے ظاہر ہو جانے کا خوف تھا؟

آخر وہ کون لوگ، طبقات اور قوتیں ہیں جن کو اصل حقائق کے ظاہر ہو جانے کا خوف اب بھی دامن گیر ہے؟

(۶) ذیل میں 632 اور 2006 عیسوی کے مابین امت مسلمہ میں واقع ہونے والے چند حادثات درج کئے جاتے ہیں جن کی عاجز کے علم کی حد تک کبھی تحقیق نہیں کی گئی، نہ ایسی تحقیق کو برداشت کیا گیا اور نہ ایسی تحقیق کرنے والوں کو۔

(۷) عنوان اوّل: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

نفس مسئلہ: کیا نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی واقعی وفات ہو چکی ہے؟

کیا وہ واقعہ جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا نام دیا گیا وہ فطری وفات تھی یا شہادت؟

کیا آپ ﷺ پر شہادت واقع ہوئی؟

ابوبکر نے کہا: "اللہ کے رسول آپ پر دو موتیں واقع نہیں ہوں گی۔" کیا آپ ﷺ پر دو موتیں واقع ہونے والی تھیں؟

کیا کسی پر دو موتیں واقع ہوتی ہے؟

عمر نے کہا: جو مسلمان یہ کہے کہ اللہ کے رسول مر گئے وہ مرتد ہے؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہوسکی۔

(۸) عنوان دوم: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

نفس مسئلہ: نبی آخرالزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات کے چار دنوں کے دوران کئی باتوں کا ذکر بار بار کرتے رہے تھے۔ کیا انھیں ان امور سے متعلق آئندہ کوئی اندیشہ، تردد اور خوف لاحق تھا یا ان عنوانات کے تحت ان کی نبوی معلومات انھیں پریشان کررہی تھی؟

انھیں کیا اندیشے لاحق تھے اور کن سے تھے؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہوسکی۔

(۹) عنوان سوم: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

نفس مسئلہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات کے دوران فرمایا:

(۱) " ائتونی بدواۃ و صحیفۃ اکتب لکم کتاباً لا تضلو ابعدہ ابداً"

(صحیح البخاری: کتاب المغازی)

(۲) " دعا بصحیفۃ لیکتب فیھا لا ٔمتہ کتاباً لا یضلون و یضلون"

(الطبقات الکبری لا بن سعد)

(۳) " ائتنی بطبق اکتب فیہ ما تضل امتی بعدی" (الطبقات الکبری لا بن سعد)

(۴) " ایتونی اکتب لکم کتاباً لن تضلوا بعدہ ابداً" (صحیح البخاری: کتاب المغازی)

کہا جاتا ہے کہ انھیں ایسی تحریر لکھنے کے لئے کاغذ فراہم نہیں کیا گیا چنانچہ ایسی تحریر قلمبند نہیں ہو سکی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات سے قبل منصب نبوت و رسالت سے معزول ہو چکے تھے؟ کیا اب ان کے پاس نبوت و رسالت کے ضمن میں کہنے اور ہدایات دینے کی کوئی بات نہیں رہ گئی تھی؟ کیا اب نبوت و رسالت سے متعلق ان کی کوئی بات معتبر نہیں تھی؟ (نعوذ باللہ) کس ذریعہ علم سے کسی کو یہ معلوم ہوا کہ اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے کے لائق ہے اور نہ غور کرنے کے لائق، نہ یاد رکھنے کے لائق نہ قیامت تک آنے والی امت مسلمہ تک پہنچانے کے لائق؟

کیا ضروری ہے کہ اس بات کا تعلق اسی عنوان سے ہو جس کا بعض طبقات ذکر کر رہے ہیں؟ کیا

قران میں کوئی ایسی آیت آئی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی ایسی بات فرمائی تھی کہ فلاں تاریخ یا فلاں گھڑی سے وہ عہد شروع ہو رہا ہے جب قران کا نزول بند کر دیا گیا ہے؟ یا حضرت جبرئیل کا نزول بند ہو گیا ہے اور اب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت اتر سکتی ہے نہ جبرئیل امت سے متعلق کوئی ہدایت پہنچا سکتے ہیں؟ کس ذریعۂ علم سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جس بات کا ذکر کر رہے تھے وہ وحی نہ تھی یا کوئی اور ہدایت؟

مرتے ہوئے آدمی سے Confession کرانا تو جائز! مرتے ہوئے باپ سے جائداد کے لئے وصیت کروانا جائز! مرتے ہوئے باپ سے کاغذات پر دستخط کروانا جائز!! اگر کوئی چیز خلاف مصلحت ہوتو وہ نبی، رسول، نبی آخر الزماں اور حامل وما ینطق عن الھویٰ سے ہدایات لینا۔

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۰) عنوان چہارم: أسامة بن زيد

نفس مسئلہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات کے دوران بار بار تاکید فرمائی:

"يا يها الناس! انفذوا بعث أسامة!"

اس تعلق سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں سے خطاب کیوں فرمایا؟ اس میں سیاسی (Political)، جیو پالیٹیکل (Geopolitical)، تدبیری (Strategic & Tactical)، نبوی (Prophetic)، رسالتی (Apostolic) اور کائناتی (Cosmic) کیا راز تھا؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۱) عنوان پنجم: أسامة بن زيد

نفس مسئلہ: آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات کے دوران فرمایا:

" انفذوا بعث أسامة! فلعمری لئن قلتم فی إمارته لقد قلتم فی إمارةِ ابیه من قبله و إنه لخليق با لإمارة و إن كان أبوه لخليقاً بها".

اس نبوی ارشاد میں: پہلا "تم لوگ" کون لوگ تھے؟

دوسرا "تم لوگ" کون لوگ تھے؟

کیا دونوں وہی لوگ تھے یا الگ الگ اور ہر دو صورت میں اصلی حقیقتِ اعتراض کیا تھی؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۲) عنوان ششم: مغیرہ بن شعبہ

نفس مسئلہ: نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے موقع پر مغیرہ بن شعبہ نے قبر مبارک میں اپنی انگوٹھی گرادی۔ مغیرہ بن شعبہ سابقون اولون میں سے ہیں نہ ہجرت حبشہ میں شامل تھے، نہ ہجرت مدینہ میں آنحضور کے ساتھ ہجرت کی۔ نہ وہ بدر میں شامل تھے نہ احد میں اور نہ احزاب میں۔ انگوٹھی آنکھوں پر لگا چشمہ یا قمیص کی اوپری جیب میں رکھا قلم نہیں کہ جھٹکے سے نادانستہ طور پر قبر میں گر جائے۔ پھر جن کی نظر مغیرہ بن شعبہ کے خاندان، ان کی تعلیم و تربیت، ان کی علمی وفنی صلاحیت، ان کے علمی وفنی مشاغل، اسلام لانے سے قبل ان کے سابقہ افعال واعمال (Past Track Record) پر ہے وہ اس واقعہ کو معمولی نہیں سمجھ سکتے۔ مغیرہ بن شعبہ نے ایسا کیوں کیا؟ وہ اندر جا کر کیا ٹٹول رہے تھے؟ وہ اندر جا کر کس راز کو جان لینا چاہتے تھے؟ اور ایسا کرنے کا محرک اصلی کیا تھا؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۳) عنوان ہفتم: فاطمہ بنت محمد رسول اللہ

نفس مسئلہ: نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی فاطمہ بنت محمد کہاں گئیں؟ کیا ان کا انتقال ہو گیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف چھ مہینے کے اندر اندر فاطمہ کہاں چلی گئیں؟ انھیں مبینہ طور پر بغیر غسل دیئے، بغیر کفن پہنائے، رات کی تاریکی میں کہاں دفن کر دیا گیا؟ تاریخ کی ایسی شخصیت جو بظاہر Flood Lighted ہو اس سے متعلق درج ذیل اضطرابات تاریخ میں کیوں پائے جاتے ہیں:

(۱) ان کی وفات کب ہوئی؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف ساٹھ (60) دنوں کے بعد، صرف تراسی (83) دنوں بعد، صرف نوے (90) دنوں بعد، صرف ایک سو بیس (120) دنوں کے بعد یا صرف ایک سو اسی (180) دنوں کے بعد۔

(۲) ان کی مبینہ وفات کہاں واقع ہوئی؟

(۳) ان کی نعش کو غسل دیا گیا یا نہیں؟ تکفین کی گئی یا نہیں؟ ان کی تدفین ہوئی یا نہیں؟

(۴) ان کی مبینہ تدفین رات کے اندھیرے میں صرف دس بارہ لوگوں کی موجودگی میں کیوں ہوئی؟

(۵) جس ذات کی وفات اور تدفین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے زیادہ سے

زیادہ ایک سو اکیاسی (181) دنوں کے اندر اندر ہوئی ہو اس کی قبر کی شناخت کے تعلق سے اتنا اضطراب کیوں ہے؟

حاصل بحث یہ ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی فاطمہ کی وفات اور ان کی تدفین کن پراسرار حالات اور پیچیدگیوں (Circumstances) میں ہوئی؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۴) عنوان ہشتم: علی بن ابی طالب

نفس مسئلہ: علی بن أبي طالب نے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبینہ وفات اور تدفین کی صبح کو خلیفۂ اوّل ابو بکر کو اپنے گھر بلوایا۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں ہے: ''پھر انہوں (علی) نے ابو بکر کو بلوا بھیجا اور کہا کہ تم اکیلے آؤ اور کسی کو اپنے ساتھ نہ لاؤ۔ ان کو یہ منظور نہ تھا کہ عمر ان کے ساتھ آئیں۔ عمر نے ابو بکر سے کہا: خدا کی قسم! آپ اکیلے ان کے پاس نہ جائیں۔ ابو بکر نے کہا: کیوں؟ وہ میرے ساتھ کیا کریں گے؟ میں تو خدا کی قسم ضرور ان کے پاس جاؤں گا۔ آخر ابو بکر ان کے پاس گئے۔

اس سلسلۂ واقعات کی کنہ کیا تھی؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۵) عنوان نہم: شہادتِ عمر

نفس مسئلہ: مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولولو (فیروز) نے عمر بن خطاب کو شھید کر دیا۔ خلیفۂ دوم کی تدفین کے دوسرے دن خلیفۂ دوم کے صاحب زادہ عبید اللہ بن عمر بن خطاب نے مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولولو کی بیٹی اور ایک مجوسی ہرمزان کو قتل کر دیا۔ خلیفۂ سوم عثمان بن عفان نے ہرمزان کے قاتل عبید اللہ بن عمر کو معاف کر دیا۔ اور چند ہی دنوں کے بعد مغیرہ بن شعبہ کو بحرین کی گورنری سے معزول کر دیا۔

شہادت عمر کے بعد امت مسلمہ میں واقعات کے وقوع پذیر ہونے کا جیسا سلسلہ شروع ہوا ان کے تناظر میں یہ واقعہ Tip of an Iceberg کے مانند ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ بہت سی قوتیں اور طبقات متحرک ہو چکے تھے جن کے اپنے اپنے مقاصد اور اہداف تھے؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۶) عنوان دہم: عمر و ابن العاص، شہادتِ عثمان اور شہادتِ علی

نفس مسئلہ: خلیفۂ سوم عثمان نے عمرو ابن العاص کو مصر کی گورنری سے معزول کر دیا۔ اس کے

تناظر میں درج ذیل امور قابل ذکر ہیں:

(۱) خلیفۂ سوم نے عمرو ابن العاص کے لبادے کو چھو کر پوچھا: اس میں کیا بھرا ہے؟

(۲) مصر کے نئے گورنر کا بھیجا ہوا محصول ٹھیک ایسے وقت خلیفۂ سوم کے پاس پہنچا کہ وہاں عمرو ابن العاص بھی موجود تھے۔ خلیفۂ سوم نے عمرو ابن العاص سے مخاطب ہو کر کہا: دیکھو! اونٹنی نے دودھ دیا۔

(۳) خلیفۂ سوم نے چند سالوں کے بعد عمرو ابن العاص کو پھر مصر کا گورنر بنانا چاہا تو انھوں نے انکار کر دیا اور کہا: سینگ میں پکڑوں اور دودھ دوسرا دوہے۔

(۴) چند ہی دنوں بعد مصر سے خلیفۂ سوم کے خلاف شورش کا آغاز ہوا۔ خلیفۂ سوم نے شوریٰ بلائی۔ شوریٰ میں سب کے سامنے عمرو ابن العاص نے کہا: امیر المومنین! آپ کی بے اعتدالیوں نے لوگوں کو احتجاج پر آمادہ کیا ہے۔ اس کے تدارک کی صرف دو صورتیں ہیں۔ یا عدل سے کام لیجئے یا خلافت سے کنارہ کش ہو جایئے۔ اگر یہ دونوں ناپسند ہوں تو پھر جو چاہے کیجئے۔

(۵) شوریٰ کے بعد جب لوگ چلے گئے تو تنہائی میں خلیفۂ سوم سے کہا: امیر المومنین! آپ مجھے بہت محبوب ہیں۔ مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف نمائشی تھی تاکہ مفسدین مجھے ہم خیال سمجھ کر اپنا راز دار بنائیں۔

(۶) بالآخر خلیفۂ سوم عثمان بن عفان چند ہی دنوں میں شہید کر دیے گئے (656)۔ منصب خلافت تین دنوں تک خالی رہا۔ بالآخر لوگوں نے علی بن اَبی طالب سے بیعت لینے کی درخواست کی اور انہوں نے بیعت لی (656)۔

(۷) معاویہ بن ابی سفیان نے خلیفۂ چہارم علی بن ابی طالب کی خلافت کو ماننے اور ان کی اطاعت کرنے سے انکار کر دیا۔ نئے گورنر کو چارج دینے سے انکار اور کھلی بغاوت کا اعلان کر دیا (656)۔

(۸) اسی وقت عتبہ بن ابی سفیان کی رائے پر معاویہ بن اَبی سفیان نے عمرو ابن العاص سے ملاقات کی اور مشورہ طلب کیا (656)۔

عمرو ابن العاص نے کہا:

میں تمہارے مقصد کے حصول کے لئے خواہ مخواہ کیوں تمہاری مدد کروں؟

معاویہ بن ابی سفیان نے پوچھا:

تم آخر کیا چاہتے ہو؟

عمرو ابن العاص نے جواب دیا:

مصر!

چند گھنٹوں کے بعد معاویہ بن اُبی سفیان راضی ہو گئے اور تحریری معاہدہ ہو گیا کہ دونوں مل کر خلیفۂ چہارم علی بن اُبی طالب کے خلاف جنگ کریں گے اور انھیں شکست دیں گے اور جب خلیفۂ چہارم مغلوب ہو جائیں تو مصر عمرو ابن العاص کا ہوگا۔

(۹) جنگ صفین (656) میں عمرو ابن العاص نے معاویہ بن اُبی سفیان کو قران کو نیزوں پر بلند کرنے اور تحکیم کی دعوت دے کر ہارتی ہوئی جنگ کو بچانے کی تدبیر بجھائی۔

(۱۰) خلیفۂ چہارم علی بن ابی طالب کے روکنے اور اس چال میں گرفتار ہونے سے منع کرنے کے باوجود جب لوگ تحکیم پر راضی ہو گئے تو عمرو ابن العاص نے تحکیم میں معاویہ بن اُبی سفیان کی نمائندگی کی۔

(۱۱) 661 عیسوی میں تین لوگوں پر مبینہ طور پر جان لیوا حملے ہوئے۔ یہ تین لوگ تھے:

(۱) خلیفۂ چہارم علی بن اُبی طالب

(۲) معاویہ بن اُبی سفیان

(۳) عمرو ابن العاص

چنانچہ خلیفۂ چہارم علی بن ابی طالب شھید ہو گئے۔ معاویہ بن ابی سفیان کے اردگرد متعین کمانڈوز انھیں بچانے میں کامیاب ہو گئے اور وہ صرف زخمی ہوئے۔ اتفاق صرف عمرو ابن العاص کے ساتھ واقع ہوا کہ وہ اسی دن امامت کے لئے مسجد نہیں گئے اور ان کی جگہ خارجہ بن حذافہ جو امامت کر رہے تھے مارے گئے۔

چنانچہ خلیفۂ سوم کی شھادت کی حقیقت کیا ہے؟ تحکیم کی حقیقت کیا ہے؟ خلیفۂ چہارم کی شہادت کی حقیقت کیا ہے؟ ان سب کے پیچھے کون کون سی قوتیں کارفرما تھیں اور ان کے کیا کیا اہداف تھے؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۷) عنوان یازدہم: جنگ جمل، جنگ صفین، شہادت محمد بن ابی بکر

نفس مسئلہ: خلیفۂ سوم عثمان بن عفان بہت پر اسرار اور دل دوز حالات میں (656) شہید کر دیئے گئے۔ تین دنوں تک منصب خلافت خالی پڑا رہا۔ اس دوران لوگ علی بن ابی طالب، طلحہ اور زبیر بن العوام سے جو مدینہ میں موجود تھے درخواست کرتے رہے کہ وہ آگے بڑھیں اور منصب خلافت سنبھالیں۔ طلحہ اور زبیر بن العوام تیار نہیں ہوئے۔ بالآخر علی بن ابی طالب آمادہ ہو گئے اور ان کی بیعت تیسرے روز ہوئی۔ خلیفۂ چہارم کی اس مدت خلافت میں چار عظیم واقعات رونما ہوئے جنھوں نے پوری امت کو ہلا کر رکھ دیا:

(۱) جنگ جمل (656)

(۲) جنگ صفین (656)

(۳) شہادت محمد بن ابی بکر (658)

(۴) شہادت علی (661)

ان حادثات کے دوران یوں تو سینکڑوں دل دوز اور دل فگار واقعات رونما ہوئے لیکن ان میں سب سے لرزہ خیز واقعہ خلیفۂ اوّل ابوبکر بن ابی قحافہ کے بیٹے محمد بن ابی بکر کی شہادت کا واقعہ ہے۔ محمد بن ابی بکر مصر میں خلیفۂ چہارم علی بن ابی طالب کے گورنر تھے۔ معاویہ بن اَبی سفیان نے عمرو ابن العاص کو مصر پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا۔ مقابلہ کے بعد محمد بن ابی بکر شکست کھا کر گرفتار ہوئے۔ وقت گرفتاری وہ سخت پیاسے تھے۔ انہوں نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ لیکن انھیں پانی دینے سے انکار کر دیا گیا اور انھیں بڑی بے دردی سے قتل کر دیا گیا ان کی لاش گدھے کی کھال میں سل کر جلا ڈالی گئی۔

شہادت عثمان بن عفان سے شہادت علی تک امت مسلمہ میں کون سی قوتیں کارفرما تھیں اور ان کے اصلی کیا مقاصد تھے؟

تاحال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۸) عنوان دوازدہم: حسن بن علی بن ابی طالب

نفس مسئلہ: 661 عیسوی میں خلیفۂ چہارم علی بن ابی طالب کی شہادت کے بعد لوگوں نے حسن بن علی بن ابی طالب کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ نصف سلطنت پر معاویہ بن ابی سفیان کا تسلط تھا۔ یہاں تک کہ حسن بن علی بن ابی طالب نے خلافت سے اپنی دست برداری کا اعلان کر دیا (661)۔ خلافت سے دست برداری کے آٹھ سال بعد حسن بن علی بن ابی طالب کو زہر دے کر مار ڈالا گیا (669)۔ اس

تناظر میں کئی واقعات قابل ذکر ہیں:

(۱) معاویہ بن ابی سفیان نے حسن بن علی کا محاصرہ کیوں کیا؟

(۲) وہ کیا پراسرار اور شدید حالات تھے یا پیدا کر دیئے گئے جن میں حسن بن علی خلافت سے اپنی دست برداری کے لئے تیار ہو گئے؟

(۳) وہ کیا پراسرار اور خوفزدہ کرنے والے حالات تھے جن میں حسن بن علی نہ صرف خلافت سے دست بردار ہونے بلکہ تحریری معاہدہ لکھنے اور پھر مجمع عام میں اپنی دست برداری کا خود اعلان کرنے پر مجبور ہوئے؟

(۴) عمرو ابن العاص نے جو معاویہ بن اُبی سفیان کے مشیر خاص تھے معاویہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ حسن بن علی کو بنفس نفیس مجمع عام میں اپنی دست برداری کا اعلان کرنے پر مجبور کریں۔ چنانچہ حسن بن علی نے مجمع عام میں تقریر فرمائی:

"اما بعد! لوگو! خدا نے ہمارے اگلوں سے تمہاری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خوں ریزی کرائی۔ دانائیوں میں بہترین دانائی تقویٰ اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بد اعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور معاویہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے، یا وہ اس کے حق دار ہیں یا میں ——— دونوں صورتوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بھلائی اور تم لوگوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے میں اس سے دست بردار ہوتا ہوں۔ پھر معاویہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: یہ خلافت تمہارے لئے فتنہ اور چندروزہ سرمایہ ہے۔"

(۵) حسن بن علی کو 669 عیسوی میں زہر دیا گیا۔ المسعودی نے مروج الذھب میں لکھا ہے:

"علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (زین العابدین سجاد) بیان کرتے ہیں کہ حسین میرے چچا حسن بن علی کے پاس ان کے زہر پلانے کے بعد گئے۔ تو حسن قضاء حاجت کے لئے گئے۔ وہاں سے لوٹ کر کہا: مجھے کئی بار زہر پلایا گیا۔ لیکن اس مرتبہ کے ایسا کبھی نہ تھا۔ اس میں میرے جگر کے ٹکڑے باہر آ گئے۔ تم مجھے دیکھتے کہ میں ان کو اپنے ہاتھ کی لکڑی سے الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔ حسین نے پوچھا: بھائی! کس نے پلایا؟ حسن نے کہا: اس سوال سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے جس کے متعلق میرا گمان ہے، تو خدا اس کے لئے کافی ہے۔

اور اگر دوسرا ہے تو میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میری وجہ سے کوئی ناکردہ گناہ پکڑا جائے۔ اس کے بعد حسن زیادہ نہ ٹھہرے اور تین دن کے بعد انتقال کر گئے۔ اور ذکر کیا جاتا ہے کہ ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے معاویہ کے اشارہ سے زہر پلایا تھا۔"

(۶) حسن بن علی کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ آپ نے حسین بن علی سے فرمایا: حضرت عائشہ سے دوبارا اجازت لے کر مجھے روضۂ نبوی میں دفن کرنا۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے۔ اگر مزاحمت کی صورت پیش آئے تو زیادہ اصرار نہ کرنا اور عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ اندیشہ کے عین مطابق مروان مزاحم ہوا۔ چنانچہ حسن بن علی کی تدفین بقیع کے عام قبرستان میں کر دی گئی۔

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۱۹) عنوان سیزدہم: معاویہ، یزید بن معاویہ، عبدالملک بن مروان، حجاج بن یوسف

نفس مسئلہ: مغیرہ بن شعبہ نے 676 میں معاویہ بن ابی سفیان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی زندگی میں اپنے بعد یزید کے لئے بیعت لے لیں۔ امیر معاویہ نے اسے پسند کیا اور پوری خلافت میں یزید کے لئے بیعت لے لی گئی۔ ظاہر ہے ایسی بیعت بہ جبر ہی لی جا سکتی ہے۔ 679 میں امیر معاویہ مرض موت میں مبتلا ہوئے۔ چنانچہ انھوں نے یزید کو وصیت کی۔ وصیت نامہ طبری اور الفخری میں پوری تفصیل سے درج ہے جس کی تلخیص درج ذیل ہے:

"میرے بیٹے! میں نے تمہاری راہ کے تمام کانٹے ہٹا کر تمہارے لئے راستہ صاف کر دیا ہے۔ اور دشمنوں کو زیر کر کے سارے عرب کی گردنیں جھکا دی ہیں اور تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے جمع نہ کیا ہوگا.................. سب سے اہم معاملہ خلافت کا ہے۔ اس میں حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر کے علاوہ اور کوئی تمہارا حریف نہیں ہے۔ لیکن عبد اللہ بن عمر سے کوئی خطرہ نہیں .... عبدالرحمٰن بن ابی بکر میں کوئی ذاتی ہمت اور حوصلہ نہیں .... البتہ حسین بن علی کی طرف سے خطرہ ہے.................. البتہ جو شخص لومڑی کی طرح کا وہ دے کر شیر کی طرح حملہ آور ہوگا وہ عبداللہ بن زبیر ہے۔ اس لئے اگر وہ صلح کرے تو صلح کر لینا ورنہ موقع اور قابو پانے کے بعد اس کو ہرگز نہ چھوڑنا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا۔"

اس کے بعد تین دل دوز واقعات رونما ہوئے جو درج ذیل ہیں:

(۱) 680 میں یزید معاویہ بن اُبی سفیان کا جانشیں ہوا۔ 8 اکتوبر 680 کو یزید کی چار ہزار فوج نے کربلا کے مقام پر تقریباً ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل قافلہ کو جس میں حسین بن علی بن ابی طالب، بنو ہاشم کے بیس مرد، پچاس دیگر افراد اور بنو ہاشم کی خواتین اور بچے شامل تھے گھیر لیا۔ 10 اکتوبر 680 کو یزید کی اس فوج نے علی بن حسین کو چھوڑ کر حسین بن علی سمیت خانوادۂ رسول اور بنی ہاشم کے تمام مردوں کو شہید کر دیا۔

(۲) 683 میں عبدالملک بن مروان کی فوج نے حجاج بن یوسف کی قیادت میں عبداللہ بن زبیر کی فوج کا مکہ میں محاصرہ کر لیا۔ لڑائی ہوئی۔ مکہ کے اردگرد کی پہاڑیوں سے حجاج نے منجنیقوں سے مکہ پر بے تحاشا سنگ باری کروائی۔ دوران جنگ کعبہ میں آگ لگ گئی اور کعبہ جل کر راکھ ہو گیا۔ عبداللہ بن زبیر کو 683 عیسوی میں خانۂ کعبہ کے اندر بڑی بے دردی سے حجاج بن یوسف ثقفی نے قتل کر دیا۔ عبداللہ بن زبیر کا سر کاٹ کر حجاج نے عبدالملک بن مروان کو دمشق بھیج دیا۔ اور دھڑ مکہ المکرمہ کی ایک کے شاہ راہ پر لٹکوا دی۔ عبداللہ بن زبیر کی ماں یعنی ذوالنطاقین خلیفۂ اوّل ابوبکر کی بیٹی اسماء کو خبر ہوئی تو انھوں نے بیٹے کی لاش مانگی۔ حجاج بن یوسف نے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ "ابھی میں اس نظارہ کو باقی رکھنا چاہتا ہوں۔" شاہ راہ پر جہاں لاش لٹکی ہوئی تھی عبداللہ بن عمر کا ادھر سے گزر ہوا۔ وہ لاش کے پاس کھڑے ہوئے اور کہا:

"ابوخبیب! السلام علیک! میں نے تم کو اس میں پڑنے سے منع کیا تھا................"

حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو لاش کو اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوا دی۔ اور ماں حضرت اسماء کو کہلا بھیجا کہ لاش کی درگت دیکھنے کے لئے سیدھی چلی آؤ ورنہ چوٹی پکڑ کر گھسیٹ کر بلواؤں گا۔

(۳) خلیفۂ دوم عمر ابن الخطاب کے صاحب زادے عبداللہ بن عمر کے عبداللہ بن زبیر کی لاش کو مخاطب کر کے کہے ہوئے جملے حجاج بن یوسف ثقفی کو پہنچے۔ چنانچہ اس نے اپنے لوگوں کے ذریعہ خفیہ طور پر ایک زہر آلود نیزہ سے انھیں زخمی کروا دیا۔ زہر تیزی سے جسم میں سرایت کرنے لگا۔ عبداللہ بن عمر کو اندازہ ہو گیا کہ اب وہ جاں بر نہیں ہو سکیں گے اس لئے وہ مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے جہاں چند ہی دنوں میں ان کی موت (683) ہو گئی۔

تاحال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۲۰) عنوان چہاردہم: معاویہ، یزید بن معاویہ اور مسلم بن عقبہ

نفس مسئلہ: کربلا میں حسین بن علی سمیت تمام خانوادۂ رسول اور بنو ہاشم کے مردوں کی شہادت کے بعد خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے باقیماندہ افراد جن میں اکثر عورتیں اور بچے تھے مدینہ منورہ میں خاموش زندگی گزارنے لگے۔ اہل مدینہ اور انصار کی ہمدردیاں خانوادۂ رسول کے ساتھ تھیں۔

ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے:

"جب معاویہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے یزید کو بلایا اور کہا: تمہیں ایک نہ ایک دن مدینہ والوں سے نبٹنا ہے۔ تو جب تم ایسا کرو تو اس کام کے لئے مسلم بن عقبہ کو بھیجنا۔ اس کام کے لئے میری نظر میں وہ سب سے مناسب آدمی ہے"

اس کا مفہوم واضح تھا۔ معاویہ کے مطابق خانوادۂ رسول اللہ کے خاتمہ اور عرب میں کلی استحکام کے لئے کسی نہ کسی دن مدینہ والوں کی خبر لینی ہوگی اور اچھی طرح خبر لینی ہوگی چنانچہ معاویہ کے مطابق اس کام کے لئے موزوں انسان مسلم بن عقبہ المری ہو سکتا تھا۔

چنانچہ 683 میں یزید نے مسلم بن عقبہ المری کو اہل مدینہ کو سبق سکھانے کے لئے بھیجا۔ جس نے 20 اگست 683 کو درج ذیل طریقے سے اس مشن کو پورا کیا:

(۱) حرہ کے مقام پر مسلم بن عقبہ المری نے انصار کا قتل عام کیا۔ تین سو سے زائد جلیل القدر انصار صحابۂ کرام اور بارہ ہزار دیگر اہل مدینہ اس قتل عام میں شہید ہوئے۔ شہید ہونے والے ان جلیل القدر صحابۂ کرام میں بڑی تعداد میں وہ صحابۂ کرام شامل ہیں جو بیعت رضوان کے موقعہ پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے اور جن کے بارے میں قران نے کہا:

يد الله فوق ايديهم (الفتح ۱۰)

(۲) تین دنوں تک مدینہ منورہ کو یزید کی فوجوں نے جی بھر کر لوٹا۔ ان تین دنوں میں ہزاروں عورتوں کی عصمت دری کی گئی۔ ظاہر ہے ان میں سینکڑوں صحابیات ہوں گی۔

(۳) یزید کی فوجوں نے اپنے گھوڑے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، مسجد نبوی کے اندر حتی کہ منبر رسول سے باندھ دیئے۔ تین دنوں تک روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، منبر رسول اور مسجد نبوی یزید کے گھوڑوں کے اصطبل بنے رہے۔

حرہ کا قتل عام، مدینہ کی لوٹ، اہل مدینہ کی عورتوں کی عصمت دری، روضۂ رسول اور مسجد

نبوی کی پامالی کے واقعات امت مسلمہ کی تاریخ میں کس اہمیت کے حامل ہیں اس کا اندازہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے:

حضرت سعید بن میسب نے فرمایا:

''پہلا فساد (اسلام میں) جو ہوا وہ عثمان کا قتل تھا جس میں سارے اصحاب بدر مارے گئے۔ پھر دوسرا فساد جو ہوا وہ حرہ کا تھا اس میں صلح حدیبیہ کے سارے اصحاب مارے گئے۔

(صحیح بخاری: کتاب المغازی)

آخر یہ کون لوگ تھے جنھوں نے انسانیت کی تمام حدیں پامال کر ڈالیں؟

ان کی اصلی حقیقت اور واقعات کی اصلی کنہہ کیا تھی؟

تا حال صورت مسئلہ: ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی۔

(۲۱) یہاں تک بیان کردہ واقعات وہ ہیں جو وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر محض پچاس سالوں کے اندر وقوع پذیر ہوئے۔ اس مقام پر تاریخ اسلامی کا جائزہ لینے سے کچھ اور حیرتناک حقائق کا علم ہوتا ہے جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) جب گزشتہ صفحات میں مذکور واقعات کے حوالے سے یہ کہا جاتا ہے کہ ''ان باتوں کی آج تک تحقیق نہیں ہو سکی'' تو اس سے مراد صرف 661 عیسوی کے بعد قائم ہونے والے نظام کا وہ زمانہ نہیں جو 900 تک ممتد ہے۔ بلکہ اس سے مراد دراصل وہ پوری مدت ہے جو 661 اور 2006 کے مابین ہے۔

(۲) اس مدت میں حکمراں بدلتے رہے۔ نظام بدلتے رہے۔ مراکز حکمرانی بدلتے رہے، حکمراں نسلیں بدلتی رہیں۔ لیکن ان ساری تبدیلیوں کے باوجود اس تناظر میں اصل صورت حال میں کوئی بنیادی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ 661 سے 683 تک وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی ہی نہیں بلکہ ابتک وقوع پذیر ہونے والے کسی بھی واقعہ کی کبھی تحقیق نہیں ہوئی۔

ایسی حالت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ 661 میں کوئی مقتدرہ کا قائم کردہ نظام اصلاً کن ستونوں پر قائم ہے جو حکمرانوں کی تبدیلیوں کے باوجود ہمہ گیر، مسلسل، غیر متبدل اور مستقل بالذات ہی نہیں بلکہ عالمی بھی ہے اور جس کی گرفت ملت کے ادنیٰ و اقصیٰ سب پر یکساں رہی ہے؟

(۲۲) امت مسلمہ محمدیہ کی تاریخ کا دقیق جائزہ یہ بتاتا ہے کہ امت میں صرف ایک عنصر ایسا

رہا ہے۔جس کا نظام ہمہ نفوذ (All-Pervading)، مسلسل (Uninterrupted)، غیر متبدل (Unchanged)، مستقل بالذات (Self-Reliant)، عالمی (Global) اور ہمہ گیر (Transcendental) ہے۔یہ عنصر ہے مذکورہ نوعوامل سے بنا ہوا نظام۔اس نظام کے تین پہلو ہیں:

(۱) کلی پہلو (Meta Dimension)

(۲) جامعی پہلو (Macro Dimension) ــــــ اور

(۳) جزوی پہلو (Micro Dimension).

مذکورہ نوعوامل پر مشتمل اس عنصر کے نظام کے کلی پہلو کے تحت 661 عیسوی کے بعد دو نظام قائم ہوئے۔یہ دو نظام تھے:

(۱) نظام خلافت: اس سے مراد وہ نظام خلافت ہے جو 661 سے 1923 تک قائم رہا۔

(۲) نظام حج: اس سے مراد وہ نظام حج ہے جو 661 سے آج (2006) تک قائم ہے۔

تاریخ اسلامی کے بعض محققین نے جو یہ بات لکھی ہے:

''حضرت عثمان کے بعد کسی فرماں روا نے حج قائم نہیں کیا'' ــــــــ

وہ دراصل اسی نظام کے حوالے سے ہے جو 661 عیسوی کے بعد قائم ہو کر اب تک جاری ہے۔

مذکورہ نوعوامل پر مشتمل اس عنصر کے نظام کے جامعی پہلو کے تحت 661 عیسوی کے بعد درج ذیل نظام قائم ہوئے:

(۱) نظام مساجد جامع:

(۲) نظام مساجد عام:

(۳) نظام مدارس عظمیٰ: اس سے مراد وہ بڑے تعلیمی ادارے ہیں جو اپنے اثرات اور نفوذ کے اعتبار سے خود عالمگیر حیثیت کے حامل ہو جاتے رہے ہیں۔مثلاً جامعہ قیروان (قیام دسویں صدی عیسوی)، جامعہ ازہر (قیام 972 عیسوی)، جامعہ نظامیہ (قیام 1085 عیسوی)، جامعہ زیتونہ (قیام اغلباً 1283 عیسوی)، دار العلوم دیو بند (قیام 1866)، ندوۃ العلماء (قیام اغلباً 1894)، دار العلوم کراچی (قیام اغلباً 1948)، جامعہ ملک سعود (قیام 1982 / 1957) اور جامعہ امام محمد (قیام 1953)۔

(۴) نظام مدارس علیا: اس سے مراد وہ مدارس ہیں جو بلا لحاظ مذہب،

مسلک ومشرب کسی ملک میں بڑے مدارس میں شمار ہوتے ہیں۔

(۵) نظام علوم ونصاب: اس سے مراد مذہب، مسلک اور مشرب کی جزوی توجیہات میں تفرد کے باوجود بنیادی طور پر رائج وہ نظام علوم ونصاب ہے جو پوری ملت اسلامیہ میں رائج رہا ہے۔

(۶) نظام مشائخ: اس سے مراد مذہب، مسلک اور مشرب کی توجیہات میں انفرادیت کے باوجود بنیادی طور پر رائج وہ نظام ہے جو پوری ملتِ اسلامیہ میں رائج رہا ہے۔

(۷) نظام خانقاہ: اس سے مراد مذہب، مسلک اور مشرب کی توجیہات میں انفرادیت کے لوازمات کے ساتھ رائج نظام تربیت ہے جو پوری ملت اسلامیہ میں رائج رہا ہے۔

(۸) نظام زبان: اس سے مراد 661 سے امت مسلمہ میں رائج کردہ ابلاغ و ترسیل کا وہ غیر قرآنی اور غیر نبوی نظام ہے جس کی دو سطحیں ہیں:

(۱) غیر قرآنی اور غیر نبوی عربی کا نظام:

(۲) غیر قرآنی اور غیر نبوی دولسانی نظام: مثلاً عربی فارسی، عربی ترکی، عربی اردو، عربی سواحلی، عربی بربر، عربی روسی، عربی چینی، عربی بھاشا وغیرہ۔

اسی طرح مذکورہ نوعوامل پر مشتمل اس عنصر کے نظام کے جزوی پہلو کے تحت 661 عیسوی کے بعد درج ذیل نظام قائم ہوئے:

(۱) مقامی تعبدی نظام: اس سے مراد مقامی سطح پر نظام مساجد اور بالکل مقامی توجیہات کے ساتھ اس کا قائم نظام ہے۔

(۲) مقامی علمی نظام: اس سے مراد مقامی سطح پر نظام مدارس اور بالکل مقامی توجیہات کے ساتھ اس کا قائم نظام ہے۔

مذکورہ نوعوامل کا یہی وہ نظام ہے جو ہمہ نفوذ، مسلسل، غیر متبدل، مستقل بالذات، عالمی اور ہمہ گیر صورت میں 661 عیسوی سے امت میں قائم ہے۔

(۲۴) امت مسلمہ محمدیہ اس عاجز کے نزدیک دنیا کی بڑی قوموں میں سے وہ واحد قوم ہے جس کی درج ذیل خصوصیات ہیں:

(۱) امت مسلمہ محمدیہ کی پوری تاریخ میں واقع ہونے والے کسی بھی واقعہ کی کبھی کوئی تحقیق نہیں ہوئی۔ ہر واقعہ کی معلومات سنی سنائی اور غیر مصدقہ ہے۔

(۲) امت مسلمہ محمدیہ کی کوئی امتی سطح پر مرتب مستند اور مصدقہ تاریخ نہیں۔

(۳) امت مسلمہ محمدیہ میں کبھی تاریخ دانوں کے ذریعہ تاریخی تحقیق کے شرائط کی پوری پابندی کرتے ہوئے کوئی تاریخ لکھی ہی نہیں گئی یا لکھی ہی نہیں جاسکی۔

(۴) امت مسلمہ محمدیہ کی جب پندرہ سو سالوں میں تاریخ لکھی نہیں جاسکی تو اس کا واضح مطلب ہے کہ اس کے تاریخی حقائق اور واقعات کے ثبوت کا بڑا حصہ اب تک فنا ہو چکا ہوگا۔

(۵) امت مسلمہ محمدیہ کے پاس اسلام دین اللہ کی تاریخ کا آخری سرمایہ قران ہے اس کے بعد ان پندرہ سو سالوں میں اسلام دین اللہ کی کوئی تاریخ پائی ہی نہیں جاتی۔

(۶) امت مسلمہ محمدیہ کے پاس 'امت وسط' کی آخری مرتب تاریخ قران کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد ان پندرہ سو سالوں میں 'امت وسط' کی کوئی مرتب و مستند تاریخ پائی ہی نہیں جاتی۔

(۲۴) امت مسلمہ محمدیہ کی تاریخ شدید بحران سے دوچار ہے جس کے درج ذیل کوائف ہیں:

(۱) قرآن، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تاریخ روئے ارض پر موجود وہ واحد منبع علم ہے جو ربانی تاریخ، تکوینی تاریخ، تخلیقی تاریخ، بشری تاریخ، امتی تاریخ، اسلامی تاریخ، اصلی تاریخ، تحقیقی تاریخ، تجزیاتی تاریخ اور عادلانہ تاریخ کا عدیم النظیر شاہکار ہے۔

(۲) 661 عیسوی کے بعد اس تاریخ کا خاتمہ کر کے امت مسلمہ میں ایک دوسری تاریخ نویسی اور اس کا نظام رائج کیا گیا جو تجربی تاریخ، مجادلانہ تاریخ، منقبتی تاریخ، مطاعنی تاریخ، تحقیق۔ مخالف تاریخ، تجزیہ۔ مخالف تاریخ، غیر حقیقی تاریخ اور غیر عادلانہ تاریخ کا نمونہ اور امت وسط کے لئے خودکشی کے مترادف ہے۔

(۳) چنانچہ اس مدت (661-2006) میں عادلانہ تاریخ لکھنے کی ہر چند کہ امت میں بعض پر عزم کوششیں کی گئیں لیکن وہ خاطر خواہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ ایسا ہو جانے کے پیچھے متعدد واقعی موانع (Actual Hindrances) کارفرما تھے مثلاً مواد کا فقدان۔

(۴) جس قوم میں عادلانہ تاریخ موجود ہو وہ قوم ناقابلِ تسخیر ہوتی ہے ایسی تاریخ کے حاملین کے خلاف تنقیصی تاریخ اور بہتانی تاریخ نگاری نقش برآب کشیدگی کا شکار ہو کر رہ جاتی ہے۔

(۵) امت مسلمہ محمدیہ کو سینکڑوں سالوں سے جس طرح عادلانہ تاریخ سے دور رکھا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ امت ایک ایسے فرد کے مانند ہو گئی ہے جس نے برسوں سے آئینہ نہیں دیکھا ہو اور اس تعلق سے اس کی نفسیات آئینہ ترس (Mirror- Phobic) ہو گئی ہو۔ آئینہ کے سامنے ہو جانے یا آئینہ دیکھنے کا تصور بھی اسے لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس کا افسوس ناک نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ امت کی تاریخ نویسی غیروں کا حصہ بن گئی۔ اب یہ ان غیروں کے ذوق اور ضرورت کا تقاضا ہے کہ تحقیقی تاریخ لکھیں یا تنقیدی، تنقیصی اور بہتانی۔ اس پوری مدت میں امت کا شغل تخریبی تاریخ، مجادلانہ تاریخ، منقبتی تاریخ اور مطاعنی تاریخ میں جولانی دکھانا بن گیا۔ امت میں جن چند لوگوں نے ایسی ہمت دکھائی اور امتی، تحقیقی اور عادلانہ تاریخ لکھنے کی کوشش کی وہ علماء اور مشائخ کے ذریعہ مطعون و ملعون قرار پائے۔

(۲۵) 661 عیسوی کے بعد حکمرانوں، نظام حکمرانی اور مراکز حکمرانی کے بدلتے رہنے کے باوجود جو نظام ہمہ گیر (All-Pervading)، مسلسل، غیر متبدل اور مستقل بالذات برقرار رہا ہے وہ وہی نظام ہے جس کی اساس مذکورہ نو عوامل پر ہے۔ چنانچہ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امت کو کلیتاً 'تحقیق مخالف' بنانے اور پندرہ سو سالوں سے 'تحقیق مخالف' رکھتے ہوئے اس کی حقیقی تاریخ کو افسانہ بنا دینے میں ان نو عوامل کو ہی دخل ہے۔

(۲۶) طول بحث سے بچنے کے لئے یہ عاجز ذیل میں صرف ان عظیم ترین اور ہولناک ترین واقعات و حادثات کا ذکر کر رہا ہے جن کے تعلق سے آج تک کبھی کوئی امتی، اسلامی، حقیقی اور غیر جانبدارانہ تحقیق نہیں ہوئی۔ امت مسلمہ کی تاریخ میں واقع ہونے والے ایسے عظیم اور ہولناک واقعات میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) حملۂ تاتار تا سقوط بغداد	1203-1258
(۲) زوال اندلس تا سقوط اندلس	1350-1498
(۳) سقوط عظیم سلطنت مغلیہ	1707-1858
(۴) زوال خلافت عثمانیہ و سقوط باب عالی	1699-1923
(۵) سقوط خانات (وسطی ایشیا)	1800-1917
(۶) الغاء خلافت اسلامیہ	1923-

(۷) انتداب جزیرۃ العرب	1921-
(۸) انتداب فلسطین، شام، اردن اور عراق	1918-1948
(۹) انتظام جزیرۃ العرب	1924-
(۱۰) اہتمام حج وانتظام حرمین	1923-
(۱۱) قیام اسرائیل	1948-
(۱۲) سقوط القدس	1967-
(۱۳) مسلمانان وسطی ایشیا وانتظام سوویت یونین	1917-1989
(۱۴) تقسیم ہند اور برصغیر کے مسلمان	1947-
(۱۵) قیام بنگلہ دیش	1971-
(۱۶) انقلاب ایران اور عراق۔ایران جنگ	1979-1985
(۱۷) حملۂ سوویت یونین اور افغانستان	1979-1985
(۱۸) سقوط سوویت یونین اور مسلمانان وسطی ایشیا	1989-
(۱۹) سقوط اشتراکیت اور مشرقی یوروپ کے مسلمان	1989-
(۲۰) کویت پر قبضہ اور پہلی خلیجی جنگ	1990-1998
(۲۱) 9/11 کا مبینہ حملہ اور مسلمانوں کے خلاف عالمی جنگِ دہشت گردی	2001-2006

ان ہولناک واقعات، ان کے اسباب، تناظر، ان میں متحرک عناصر، ان تصادمات میں امت کی شکست وریخت کے اسباب، ان کے تدارک کے طریقوں، عواقب اور مضمرات غرض کسی بات کی اب تک کوئی تحقیق نہیں ہوئی؟

(۲۷) حقیقت واقعہ یہ ہے کہ کوبی مقتدرہ کے ذریعہ 661 عیسوی کے بعد قائم کردہ نظام اور ان کے ذریعہ پیدا کردہ ان نوعوامل اور ان کی بنائی اور نگرانی میں چلنے والی فضا نے امت مسلمہ سے منصبی اور امتی تاریخ اور اس کے حوادث کی تحقیق کرنے، اس پر غور وفکر کرنے، انھیں مرتب کرنے اور ان کی اشاعت کرنے کی ہر قوت، صلاحیت اور آمادگی سے ہی محروم کر کے رکھ دیا ہے۔آج امت کی تاریخ سرتا سر افسانہ (Myth) بن کر رہ گئی ہے جو کہیں پائی نہیں جاتی۔

تحفیظ مخالف نظام: اوّل

(۱) کوبکی مقتدرہ کے ذریعہ 661 عیسوی میں لائے گئے 'انقلاب معکوس' کے مشن کی تکمیل اورامت کے تعلق سے ان کے طویل مدتی منصوبوں کے مقاصد تک پہنچنے کے لئے حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی قیادت میں پوری امت مسلمہ میں ایک ہمہ گیراور وسیع الاطراف 'تحفیظ مخالف نظام' کی بناڈالی گئی۔

(۲) اس 'تحفیظ مخالف نظام' کا بنیادی ہدف تھا:

(۱) اسلام ــــــــــ دین اللہ،

(۲) قرآن،

(۳) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

(۴) سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

(۵) قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

(۶) نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم کردہ 'الحکم'،

(۷) 'الصلوۃ' ــــــــ،

(۸) اوران کی قیادت میں برپا کردہ امت وسط ـــــ کی ایک ـــــ ایک

(۱) اصلی اور حقیقی تاریخ (Actual & Real History)

(۲) آثار (Signs, Vestiges, Artifacts etc)

(۳) ثبوت (Proofs, Traces, Marks, Traditions etc)

(۴) متجانبی تاریخ (Collateral History)

(۵) متجانبی آثار (Collateral Signs, Vestiges, Artifacts etc)

(۶) متجانبی ثبوت Collateral Proofs, Traces, Marks, Traditions etc)

کو صفحۂ ہستی اور روئے ارض سے مٹا دینا۔

(۳) کوکبی مقتدرہ کا تیار کردہ اور مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کا نافذ کردہ 'تحفیظ مخالف نظام' محض ایک وقتی اتفاق یا لاعلمی اور ناتجربہ کاری کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ بہت سوچا سمجھا، قصیر، وسط اور طویل مدتی۔ صورت حال اور تاریخ عالم میں ماضی میں پیش آنے والے ایسے مہمات کو پیش نظر رکھ کر کی گئی مکمل منصوبہ بندی سے عبارت تھا۔

(۴) چنانچہ کوکبی مقتدرہ کے اس منصوبہ پر عمل اور اس کے مشن کے اہداف حاصل کرتے ہوئے مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے پچھلے چودہ سو سالوں میں اسلام دین اللہ، قرآن، سنت رسول اللہ، سیرت رسول اللہ، قول رسول اللہ، الحکم، الصلوۃ اور امت وسط کی تقریباً تمام اصلی اور حقیقی تاریخ، آثار، ثبوت اور متجانبی تاریخ، آثار اور ثبوت کو یا تو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے یا انہیں کوکبی مقتدرہ نے اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔

(۵) چونکہ 661 عیسوی سے ملت اسلامیہ کے ہر شعبے پر انہیں طبقات کا بلافصل تسلط قائم رہا ہے اس لئے انہوں نے ان چودہ سو سالوں میں اصلی اور حقیقی تاریخ، آثار، ثبوت، متجانبی تاریخ، آثار و ثبوت کو:

(۱) حاصل کرنے، جمع کرنے، محفوظ کرنے کے حقیقی اور موثر اقدامات کئے اور نہ ——

(۲) ایسا کرنے کی طرف امت کو راغب کیا، اور نہ ——

(۳) ایسا کرنے والوں کو اس کی اجازت دی اور نہ ——

(۴) ایسا کرنے والوں کو برداشت کیا۔

بلکہ اس کے علی الرغم ایسے ایسے اقدامات کئے جن سے ایک جانب یہ سارے تاریخی حقائق، آثار

اور ثبوت مٹ کر رہ گئے اور دوسری جانب امت مسلمہ کی نفسیات میں ایک ایسی طبع (Ethos) پیدا ہوگئی جو Stoicism سے ملتی جلتی تھی۔ یعنی وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ان آثار کو مٹتا ہوا دیکھ رہے تھے، ان کے دلوں میں کھٹک اور کسک ہوتی تھی لیکن حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے رویئے کو دیکھ کر وہ بھی گمان کرتے کہ حقیقی اسلامی رویہ وہی ہے جو ان طبقوں بالخصوص علماء اور مشائخ کے ذریعہ دکھایا جارہا ہے۔

(۶) چنانچہ ان چودہ سو سالوں میں امت بالکل مفلس بنا کر رکھ دی گئی ہے۔ اسلام دین اللہ، قرآن، سنت رسول اللہ، سیرت رسول اللہ، قول رسول اللہ، 'الحکم'، الصلوۃ، اور 'امت وسط' کی تاریخ، ان کی تفصیلات، ان کی حقیقی تاریخ، ان کے آثار، ثبوت، ان کی متجانبی تاریخ، ثبوت اور آثار کے تعلق سے شاید ہی کوئی چیز اب باقی بچی ہو یا ان پر امت کا اختیار ہو۔ آج امت مسلمہ کے پاس عہد نبوی اور قرون مشہود لھا بالخیر کی شاید ہی کوئی چیز محفوظ ہو۔ ایک ایسی امت میں جہاں ایک جانب:

(۱) جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت جزء ایمان ہو۔ (آل عمران ۳۱)،
(۲) جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت مغفرت کا ذریعہ ہو۔ (آل عمران ۳۱)،
(۳) جس رسول کی اطاعت کا درجہ 'یسلموا تسلیما' ہو۔ (النساء ۶۰)،
(۴) جس رسول کی اطاعت کی شرط شرعہ سے بھی بالاتر ہو۔ (النساء ۶۰)،
(۵) جس رسول کے اتباع کے لئے کم ترین قربانی 'جان' ہو۔
(۶) جس رسول کا اتباع امر علی الاطلاق ہو۔ (ما اتاکم الرسول فخذوہ)،
(۷) جس رسول کا اتباع نہی علی الاطلاق ہو۔ (مانھاکم عنه فانتھوا)،
(۸) جس رسول پر صلوۃ بھیجنا فرض ہو۔ (الاحزاب ۵۶)،

اور دوسری جانب جو امت پندرہ سو سالوں سے ———

(۱) اس رسول کی ایک ایک یاد، ایک ایک عبارت، ایک ایک اشارت، ایک ایک ادا کو حرز جان بنائے ہوئے ہو ———

(۲) دیوانگی کی حد تک بلکہ مکمل دیوانگی کے ساتھ اس رسول سے محبت رکھنے والی ہو ———

ایسی امت کے پاس آج ——— اس رسول کی دو ایک چیزوں کو چھوڑ کر کچھ بھی نہ بچا ہو ——— نہ قرآن کے صحیفے، نہ سنت رسول کے آثار، نہ سیرت طیبہ کے آثار، نہ رسول اللہ کے فرامین، نہ مکتوبات، نہ خطوط کی اصل۔ کیا ایک عظیم، ہمہ جہت، طویل مدتی منصوبہ بندی اور سازش کے بغیر ایسا ہوسکتا ہے؟

اگر یہ کوئی عظیم، ہمہ جہت مسلسل اور طویل مدت تک جاری رہنے والی ایسی سازش نہ ہوتی جس کی جڑیں امت کے اندر خوب مستحکم اور پیوست ہوں اور جسے مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی بھرپور مدد حاصل ہو تو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی تھی۔ کوئی خارجی طاقت اتنی بڑی اور اتنی طویل منصوبہ بندی کو بروئے کار لائے ممکن نہیں تاوقتیکہ اس کی جڑیں اندر بھی مستحکم اور پیوست نہ ہوں۔

(۷) مغربی استعمار اور جہانگیری (Western Colonialism & Imperialism) کی تاریخ تو جسے پچھلے دوسو سالوں سے صرف ملامت کرنا ہمیں سکھایا گیا ہے، محض تین سو سالوں کی تاریخ ہے جو اب اپنے نقطۂ کمال کو پہنچتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے قبل امت مسلمہ کے یہ مذہبی حکمراں، علماء اور مشائخ بلاشرکت غیرے تقریباً گیارہ سو سالوں تک 'نظام عالم' (World Order) کے مالک رہے۔ اس دوران تاریخ شاہد ہے کہ وہ کون سی قوت وصلاحیت اور وہ کون سے مادی وسائل تھے جو امت کو حاصل نہ تھے۔ امت کی ناقابل شکست طاقت کا وہ عالم تھا جس کا نقشہ شاعر نے یوں کھینچا ہے:

تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

کون سی دولت ہمیں حاصل نہ تھی؟ اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے کون سی قوت نافذہ ایسی تھی جس پر امت کا اختیار نہ تھا؟ ــــــ لیکن ان سب کے باوجود ــــــ امت مسلمہ اسلام دین اللہ، قرآن، سنت رسول اللہ، سیرت رسول اللہ، قول رسول اللہ، الحکم ، الصلوۃ ، امت وسط اور اسلامی تاریخ اور اس کے سارے ثبوت اور آثار حتی کہ رسول اللہ کے فرامین، خطوط اور مکتوبات اور قرآن کے مصاحف تک بچانے اور انھیں محفوظ کرانے یا رکھنے اور اگر وہ کسی غیر کے ہاتھوں میں تھے تو انہیں وہاں ڈھونڈھنے، حاصل کرنے یا محفوظ کرنے میں ناکام کیوں ہوگئی؟ ہم نے اس جانب کوئی اقدام کیوں نہیں کیا؟ کس نے ہمیں روکا؟ کس نے باور کرایا کہ یہ سب چیزیں بے کار اور غیر ضروری ہیں؟ ہمیں کس نے سکھایا اور پڑھایا کہ ان آثار و باقیات اور تاریخی اصل اور حقائق کی بازیافت کرنا اور انہیں محفوظ بنانا بے کار ہے؟ اس سے آگے بڑھ کر یہ بات کہ انہیں مٹا دینا افضل اور احسن ہے؟

واقعہ یہ ہے اور یہ عاجز اس کا برملا اظہار کرتا ہے کہ اس امت کو ٹھہر کر کچھ سوچنا چاہئے۔ اس امت کو اپنی پوری تاریخ کا جائزہ لے کر ان مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے حوالے سے از سر نو غور کرنا چاہئے کہ یہ آخر تھے کون اور ہیں کون؟ ان کی اصل کیا ہے؟ بھول، چوک اور سہو انسان سے سرزد ہوسکتے ہیں۔ لاعلمی اور بے خبری دو دن، دو مہینے اور دو سال طاری رہ سکتی ہے، ایک مقام پر، ایک ملک میں اور

ایک نسل (Generation) میں ہوسکتی ہے۔ساڑھے چودہ سو سالوں تک پوری امت میں ہر جگہ اور ہر نسل (Generation) میں برقرار نہیں رہ سکتی۔یہی سبب ہے کہ یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ ان مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی اصل کیا تھی جو امت پر 661 عیسوی کے بعد مسلط ہوئے؟ گھٹنا پیٹ کی طرف جھکتا ہے۔

(۸) 661 عیسوی سے امت پر واقع ہونے والی اس صورت حال کو یہ عاجز ایک عظیم، ہمہ گیر اور طویل مدتی منصوبہ بند سازش قرار دیتا ہے اور اس کے پاس ایسا نتیجہ اخذ کرنے کے ٹھوس اور ناقابلِ انکار ثبوت ہیں۔

(۹) روئے زمین پر ہزاروں سالوں سے جاری انسانی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہاں پائی جانے والی کچھ چیزیں ایسی ہیں جو کسی قوم، تہذیب، تمدن، ثقافت، اثر، ثبوت، نشانات، مابقیہ، وقوعہ، بشری اعمال وافعال حتیٰ کہ قدرتی اور فطری افعال واعمال کے وجود کو ختم کردینے والی، انہیں مٹا دینے والی یا متاثر کردینے والی ثابت ہوئی ہیں۔ایسی چند اہم اور تباہ کن چیزیں درج ذیل ہیں:

(۱) گزرگاہ (Frequented Thoroughfare): اس سے مراد کسی مقام، شہر علاقہ اور ملک کا ایسی جگہ واقع ہونا ہے جس سے ہوکر مختلف الطبائع اقوام اور ان کی فوجیں جہاں گیری کے ارادہ سے گزرتی رہتی ہوں اور وہ جگہ ہر سو دو سو سالوں میں روندی جاتی ہو یا تباہ و برباد کردی جاتی ہو۔ایسی جگہوں پر کسی قوم، تہذیب، تمدن، اور ثقافت کے آثار، ثبوت، نشانات، مابقیہ اور وقوعہ، انسانی یا قدرتی اعمال وافعال سے وجود میں آنے والے نشانات مٹ جاتے ہیں یا خلط ملط ہوجاتے ہیں۔

(۲) جنگی میدان (Battlefield): اس سے مراد کسی محل وقوع ـــــ علاقہ اور ملک کا ایسی صورت میں ہونا ہے جہاں اکثر دو مختلف تہذیبوں اور تمدن سے وابستہ قوموں کے مابین بڑی بڑی جنگیں ہوتی رہتی ہوں اور وہ علاقہ میدان جنگ بنا رہتا ہو۔

(۳) قتل عام (Total Annihilation or Total Massacre): اس سے مراد کسی قوم کا کسی دشمن قوم کے ذریعہ کیے گئے قتل عام میں کلی طور پر ختم ہوکر رہ جانا ہے۔

(۴) کلی ترک مکانی یا اخراج (Total Exodus): اس سے مراد کسی قوم کا کسی دشمن

قوم کی مسلط کردہ تباہی سے بچنے کے لئے کلی طور پر ترک مکانی کرنا ہے۔

(۵) عظیم و مسلسل ہمہ گیر قدرتی آفات (Gigantic and Incessant Natural Disaster): اس سے مراد کسی محل وقوع کا ایسی جگہ ہونا ہے جو بوجوہ عظیم اور ہمہ گیر قدرتی آفات مثلاً سیلاب اور زلزلوں کا مسلسل نشانہ بنتا رہا ہو۔

(۶) طویل قبضۂ اعداء (Prolonged Occupation of Hostile Nations):
اس سے مراد کسی محل وقوع کا صدیوں تک بلکہ ہزاروں سالوں تک دشمن اقوام کے زیر تسلط رہنا ہے۔

(۷) منصوبہ بند ہمہ گیر تباہی (Planned All-out Vandalism): اس سے مراد کسی حاوی طبقہ یا طاقت کی جانب سے عظیم، ہمہ گیر اور طویل مدتی سازش اور منصوبہ بندی کے ذریعہ لائی گئی تباہی ہے۔

(۱۰) مغرب میں رباط سے مشرق میں منڈاناؤ تک اور شمال میں قازان سے قطب جنوبی کے سمندروں تک امت مسلمہ کی موجودگی اور اس کے مسلسل اقتدار کی تاریخ مسلم ہے۔ اول الذکر چھ امور ان پندرہ سو سالوں میں امت کی تاریخ میں کبھی پائے نہیں گئے اور اگر بفرض محال پائے بھی جاتے تو امت مسلمہ اور اس کے علاقۂ اقتدار کی وسعت کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا اس پر، ان کی تہذیب ان کے تمدن، ان کی ثقافت اور اسلام کے آثار، ثبوت اور مابقیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن نکتۂ فکر یہ ہے کہ ان سب تباہ کن عوامل کی ناموجودگی کے باوجود امت مسلمہ کا تقریباً کل اصلی اور بنیادی سرمایہ ختم ہو چکا ہے۔

(۱۱) اس تناظر میں سب سے حیران کن صورتحال جو تاریخ کے کسی بھی طالب علم کو بدحواس کر دینے کے لئے کافی ہے، جزیرۃ العرب کی اور اسلام، قرآن، سنت رسول، سیرتِ رسول، قول رسول، الحکم، الصلوٰۃ اور امت وسط کے تقریباً تمام آثار، ثبوت اور مابقیہ کے ان چودہ سو سالوں کے دوران وہاں مفقود ہو جانے کی ہے۔

جزیرۃ العرب پوری روئے زمین میں وہ واحد خطۂ زمین ہے جو ان چودہ سو سالوں میں اول الذکر چھ امور سے کلی طور پر محفوظ و مامون رہا ہے۔ اس صورت حال میں وہاں ماحول، بر سر زمین اور زیر زمین پائی جانے والی ایک ایک چیز پوری طرح محفوظ و مامون ہونی چاہیے تھی۔

(۱۲) جزیرۃ العرب کے تعلق سے دو امور نہایت قابل غور ہیں۔ یہ دو امور اسلام —— دین اللہ،

قرآن، سنت رسول اللہ، سیرت رسول اللہ اور اسلامی تاریخ اور اس کے تمام آثار کی صیانت وحفاظت کے تعلق سے اٹھائے گئے وہ ربانی ونبوی اقدامات ہیں جن کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ وہ دو اقدامات درج ذیل ہیں:

(۱) حرمین کو اسلام کا مکمل علاقۂ محفوظ (Total, Absolute and Highly Exclusive Sanctuary) بنانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے ایمان والو! بے شک مشرک نجس ہیں لہٰذا اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب تک نہ آسکیں (التوبہ ۲۸)

(۲) جزیرۃ العرب کو اسلام کا مکمل علاقۂ محفوظ (Total Exclusive Sanctuary) بنانا:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں وصیت فرمائی:

(۱) اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب۔

ترجمہ: مشرکین کو جزیرۂ عرب سے خارج کردو۔

(۲) اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب۔

ترجمہ: یہود ونصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے خارج کردو۔

(۳) أن لا یترک بأرض العرب دینان.

ترجمہ: ارض عرب میں اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو رہنے نہ دو۔

(۴) لا یبقین دینان بأرض العرب.

ترجمہ: عرب میں دو دین باقی نہ رہیں۔

(۳) اللہ تعالیٰ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دیئے گئے ان احکامات کا مقصد صرف ایک ہوسکتا ہے:

''تمام جزیرۂ عرب کو اسلام کے لئے کلی، حتمی اور یقینی علاقۂ محفوظ (Total, Final & Actual Sanctuary) بنانا''

چنانچہ امت مسلمہ کی پندرہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ جزیرۂ عرب تاریخی طور پر اسلام کا علاقۂ محفوظ رہا۔ ایسی صورت حال میں صرف حرمین شریفین میں ہی نہیں بلکہ جزیرۂ عرب کے چپے چپے میں اسلام، قرآن، سنت رسول اللہ، سیرت رسول اللہ، قول رسول اللہ اور اسلام کی تاریخ کی اصل تاریخ، اس کے

آثار، ثبوت، نشانات اور مابقیہ جوں کی توں (Stay-put)، محفوظ اور دستیاب ہونے چاہئیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ ان پندرہ سو سالوں کے دوران نہ صرف پوری دنیا اور بقیہ جزیرۂ عرب سے بلکہ حرمین شریفین تک سے اس کی ایک ایک تاریخ اور اس کی ایک ایک چیز مٹا دی گئی ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہ عاجز پورے جزم سے کہتا ہے کہ:

(۱) ایسا ایک منصوبہ بند سازش کے بغیر نہیں ہو سکتا،

(۲) اتنا بڑا، وسیع الاطراف اور ہمہ گیر کام امت مسلمہ پر مسلط مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی مسلسل مدد بلکہ ان کی بنفس نفیس Pro-Active Operation & Participation کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

تحفیظ مخالف نظام: دوم

قرآن کی تباہی

(۱) تاریخ پر دقیق نظر ڈالنے سے یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ اور قرآن کے نزول کے اولین دنوں سے ہی ابلیس، دجال اکبر اور کوبی مقتدرہ قرآن کو تباہ و برباد کرنے کی مسلسل جدوجہد کرتے رہے ہیں۔ 632 عیسوی کے بعد ان کی یہ کوشش بام عروج پر پہنچ گئی۔ 661 عیسوی کے 'انقلاب معکوس'، میں کوبی مقتدرہ بالفعل برسر اقتدار آگیا۔ لہٰذا اس وقت سے اپنی مسلسل کاوشوں کے ذریعہ اس نے قرآن کو اور اس کے تمام آثار اور اصلی و حقیقی ثبوت کو مٹا دیا۔ اس تعلق سے امت مسلمہ اور بالخصوص عامۃ الناس کی جانب سے قران کو محفوظ رکھنے کی ہر کوشش ناکام بنا دی گئی۔

(۲) 632 اور 661 عیسوی کے مابین چار غیر معمولی واقعات رونما ہوئے۔ آج تک اس بات کی تحقیق نہیں ہوسکی کہ ان چاروں واقعات کی اصل حقیقت کیا تھی؟ ان عنوانات سے کیا کیا گیا؟ ان کی کوئی متعین تفصیل اب تک سامنے نہیں آئی ہے۔ ان اقدامات کے اصل محرکات کیا تھے؟ ان محرکات و اسباب کی اصل صورت حال اور ان کی حقیقت، وسعت اور اصلیت کیا تھی؟ نہ صرف یہ کہ ایسی کوئی جامع امتی اور غیر جانبدارانہ تحقیق اب تک نہیں ہوئی بلکہ اگر کسی نے ایسی تحقیق کرنے کوشش کی تو اسے مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے پوری قوت سے ناکام بنا دیا۔ یہ غیر معمولی چار واقعات درج ذیل ہیں:

(۱) جمع قرآن اول: یہ جمع قرآن علی بن ابی طالب کے ذریعہ کیا گیا۔

(۲) جمع قرآن دوم: یہ جمع قرآن خلیفۂ اول ابوبکر کے ذریعہ کیا گیا۔

(۳) جمع قرآن سوم: یہ جمع قرآن خلیفہ دوم عمر بن خطاب کے ذریعہ کیا گیا۔

(۴) جمع قرآن چہارم: یہ جمع قرآن خلیفہ سوم عثمان بن عفان کے زمانے میں کیا گیا۔

(۳) 632اور 661 عیسوی کے مابین ایسی متعدد کوششیں ہوئیں جن کا مقصد روئے ارض سے قران اوراس کے آثار کوڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مٹادینا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سارے کام مذہبی حکمرانوں، علماء اورمشائخ کی نگرانی میں انجام دیئے گئے۔ اس غیر معمولی مشن کے دو بنیادی عنوان تھے:

(۱) امت مسلمہ میں موجود قرآن کے نسخوں کو منصوبہ بند طور پر لوگوں سے لے کر انہیں جلا کر تباہ کردینا۔

(۲) امت مسلمہ میں بکھرے ہڈی، چمڑے، لکڑی، کپڑے، معدن، درخت کی چھال، درخت کے پتوں پر لکھے قرآن کے تمام اجزاء (Fragments) اور آثار کوڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اور منصوبہ بند طریقے سے حاصل کر کے انہیں جلا ڈالنا۔

روئے ارض پر انسانی تاریخ میں آثار کی تباہی (Vandalism) کا اتنا بڑا اور منصوبہ بند حادثہ کبھی رونما نہیں ہوا۔ یہ سارے کام مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی ذاتی نگرانی اور کوششوں سے انجام پائے۔

(۴) 644اور 740 کے مابین قرآن، اس کے صحیفوں اور آثار کو منصوبہ بند طور پر تباہ کرنے کی جو کوشش ہوئی وہ اسلام اور قرآن کی تباہی کے لئے اٹھایا گیا سب سے ہولناک قدم تھا۔ اس مدت میں درج ذیل مہمات سر کی گئیں:

(۱) صحیفۃ ابو بکر کی کلی تباہی
(۲) صحیفۃ عمر کی کلی تباہی
(۳) صحیفۃ علی کی کلی تباہی
(۴) صحیفۃ زید بن ثابت کی کلی تباہی
(۵) صحیفۃ أبی بن کعب کی کلی تباہی
(۶) صحیفۃ عبد اللہ بن مسعود کی کلی تباہی
(۷) صحیفۃ ابو موسیٰ اشعری کی کلی تباہی
(۸) صحیفۃ مقداد بن عمرو کی کلی تباہی
(۹) صحیفۃ حفصہ کی کلی تباہی

(۵) قرآن کی تباہی کا سب سے ہولناک واقعہ 644 اور 656 عیسوی کے مابین پیش آیا۔ اس دوران پوری امت مسلمہ میں موجود قرآن اور اس کے ہر قسم کے آثار کو سرکاری اور خلافتی حکم سے جمع کر کے جلاڈالا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا حکم خلیفۂ سوم عثمان بن عفان نے دیا تھا۔ اس تعلق سے درج ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) پہلا سوال: اس کا کیا ثبوت ہے کہ خلیفۂ سوم عثمان بن عفان نے کوئی ایسا حکم دیا ہو۔ اولاً، وہ ایسا حکم نہیں دے سکتے اس لئے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ قرآن ان پر نہیں بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔

(۲) دوسرا سوال: اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ خلیفۂ سوم نے کوئی ایسا حکم دیا تو ان کو اس کا اختیار کب تھا؟ کسی ایسے حکم کے جاری کرنے کے وہ مجاز کب تھے؟ ان کے پاس اس کی کیا دلیل تھی؟ جب خلیفۂ اول ابوبکر اور خلیفۂ دوم عمر کے پاس قرآن کے تعلق سے ایسے اقدام کرنے کی کوئی دلیل نہیں تھی تو ان کے پاس کہاں سے آسکتی تھی؟

(۶) قرآن کی تباہی کے تعلق سے اگلا سب سے ہولناک واقعہ 661 اور 714 عیسوی کے مابین پیش آیا۔ امت کی تاریخ میں اس بدترین اور خبیث ترین تباہی (Vandalism) کو مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے بڑے خوشنما صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بدترین کوشش کا درست عنوان ہوسکتا ہے:

''قرآن کی عبارات کے ساتھ کھلی چھیڑ چھاڑ'' (Rampant Tampering of the Quran)

۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کام عبدالملک بن مروان کے حکم سے علماء اور مشائخ نے حجاج بن یوسف ثقفی کی نگرانی میں انجام دیئے۔

(۷) ظاہر ہے کہ یہ عمل قرآن کے تمام صحائف، آثار، ثبوت اور مابقیہ کو تباہ کرنے کی ایک عظیم الشان اور منصوبہ بند سازش کا حصہ تھا چنانچہ اس عمل کو شک وشبہہ سے بالاتر کرنے کے لئے امت میں گزشتہ چودہ سو سالوں سے متعدد باتیں پھیلائی گئیں۔ پھیلائی جانے والی ان باتوں میں سے ایک بات تھی:

''خلیفۂ سوم عثمان بن عفان کے سرکاری طور پر تیار کردہ 'صحیفہ' عثمان' کا قصہ''۔

اس صحیفے سے متعلق درج ذیل باتیں امت میں پھیلائی گئیں:

(۱) خلیفہ سوم کا سرکاری صحیفہ قرآن ہر جگہ بھیجا گیا۔
(۲) ساری دنیا میں یہ "صحیفۂ عثمان" باقی اور دستیاب ہے۔
(۳) آج بھی 'صحیفہ' عثمان' پایا جاتا ہے۔

(۸) اس عاجز کی تحقیق اور اس کے علم کی حد تک:
ان میں سے تقریباً ہر بات نادرست، جھوٹی اور نا قابل اعتبار ہے۔ رعایتاً اسی بات کو ایسا نہ کہہ کر یوں کہا جاسکتا ہے:

"یہ ساری باتیں تحقیق طلب ہیں۔" اس کے درج ذیل وجوہ ہیں:

(۱) صحیفۂ عثمان کے تناظر میں یہ عاجز لکھ چکا ہے کہ جن حالات میں یہ 'صحیفۂ عثمان' مرتب کیا گیا اور خلافت کے طول و عرض میں بھیجا گیا وہ کلیتاً مشکوک تھے۔

(۲) تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 900 عیسوی کے بعد روئے ارض پر پائے جانے والے اکثر صحائف عثمان جعلی تھے۔ اس عاجز کو تحقیق کے دوران دنیا میں ایسے کم از کم بیس عدد 'صحائف عثمان' کا علم ہوا ہے جن پر خلیفہ سوم عثمان بن عفان کی شہادت کے وقت گرے ہوئے ان کے خون کے دھبوں کے لگے ہونے کی بات مشہور تھی۔ کوئی اس عاجز کو بتائے کہ کیا ایسا ہونا ممکن ہے۔ اس عاجز کو تحقیق کرنے کے بعد 900 اور 1300 عیسوی کے مابین ایسے بیس عدد 'صحائف عثمان' کا علم ہوا ہے جن پر ان کے خون کے دھبے لگے ہوئے تھے اور یہ صحائف قرطبہ سے سمرقند تک پائے جاتے تھے۔

(۹) یہاں بحث قرآن اور اس کے آثار کی حفاظت اور صیانت کے ذیل میں ہو رہی ہے اور یہ بات زیر بحث ہے کہ 661 عیسوی کے بعد کو کی مقتدرہ، مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے مشترکہ اقدامات سے قرآن اور اس کے آثار کی تباہی عمل میں لائی گئی۔ چنانچہ ان چودہ سو سالوں کے دوران مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کا قرآن اور اس کے آثار کے ساتھ کیا تاریخی سلوک رہا ہے وہ قابل غور ہے۔ ذیل میں ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جس سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن اور اس کے آثار کے حوالے سے امت کے مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کا تاریخی رویہ اور برتاؤ (Behaviour) کیا

رہا ہے۔

ابن بطوطہ اپنی کتاب "تحفۃ النظار فی غرائب الأمصار و عجائب الأسفار" (1325-1354) میں لکھتا ہے:

"مسجد کے مشرقی گوشہ میں محراب کے محاذی ایک بڑا سا صندوق ہے جس میں وہ قرآن ہے جسے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان نے شام بھیجا تھا۔ وہ صندوق ہر جمعہ کی نماز کے بعد کھولا جاتا ہے۔ لوگوں کی بھیڑ اسے بوسہ دینے کے لئے ہجوم کرتی ہے۔ اسی موقع پر قرض دار اسے چھو کر اپنی قسمیں کھاتے ہیں اور قرض خواہ اپنی قسمیں۔" (رحلة: ۱۰۵)

محمد بن احمد ابن جبیر اپنی کتاب 'رحلۃ ابن جبیر' میں لکھتا ہے:

"صندوق روز ظہر کی نماز کے بعد کھولا جاتا ہے تاکہ لوگ اسے بوسہ دیں اور قرض دار اور قرض خواہ اپنی اپنی قسمیں کھا سکیں" (رحلة: ۲۶۸)

اس تعلق سے مزید مطالعہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

(۱) محمد بن عیسیٰ بن کنان: المواکب الاسلامیہ فی الممالک والمحاسن الشامیہ: مطبوعہ دمشق۔

(۲) عثمان بن علی ابن شداد: الأعلاق الخطیرة فی ذکر أمراء الشام والجزیرة: مطبوعہ دمشق۔

(۳) احمد بن محمد المقری: نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب: مطبوعہ بیروت

(۴) محمد بن عبد المنعم الحمیری: کتاب الروض المعطار فی خبر إلا قطار: مطبوعہ بیروت۔

اس مقام پر مذکورہ تینوں طریقہ ہائے سلوک غور طلب ہیں:

(۱) پہلا طریقہ سلوک: قرآن کے آثار، مابقیہ اور اجزاء کو باضابطہ جلا ڈالنا،

(۲) دوسرا طریقہ سلوک: قرآن کی عبارت کے ساتھ کھلی چھیڑ چھاڑ کرنا،

(۳) تیسرا طریقہ سلوک: اگر بفرض محال ان صحیفوں کو اصل 'صحیفۂ عثمانی' مان بھی لئے جائیں تو ان کی حفاظت کے بجائے ان سے مذکورہ سلوک کرنا تاکہ یہ چند [illegible] جائیں۔

تحفیظ مخالف نظام: سوم

(۱) قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار اور اس کی تاریخ پر دقیق نظر ڈالنے سے ایسا نظر آتا ہے کہ 632 عیسوی کے بعد پہلے در پردہ اور 661 عیسوی کے بعد علانیہ ایسی منصوبہ بند کوشش کی گئی تا کہ روئے زمین سے قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ختم ہو جائے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے دو جہات سے کارروائی کی گئی:

(۱) صحیح قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے تمام آثار، ثبوت اور ماسبقیہ کی منصوبہ بند تباہی،

(۲) جعلی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امت مسلمہ میں پوری قوت سے صحیح قول رسول کی جگہ رواج اور اشاعت۔

(۲) اس جعلی قول رسول کو تاریخ اسلامی میں 'حدیث رسول' کہا جاتا ہے۔ اس عظیم الشان کارروائی کے متعدد طرق، جہات، اصناف، اور شکلیں ہیں۔

(۳) تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ 661 عیسوی کے بعد پوری ملت اسلامیہ میں قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منصوبہ بند تباہی عمل میں لائی گئی۔ ظاہر ہے کہ ایسی کارروائی اور ایسی ہمہ جہت تباہی مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے ذریعہ براہ راست ہی ہو سکتی ہے۔ اس تعلق سے درج ذیل کام سرانجام دیئے گئے:

(۱) قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو موضح، موثق، متعین اور مشخص کرنے والے تمام آثار، باقیات، ثبوت، ہتجانی آثار، باقیات اور ثبوت کی تباہی۔

(۲) قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت باللفظ کی تعیین اور تحفیظ کرنے سے عدم توجہ بلکہ ایسی کوشش کئے جانے کی مخالفت اور مزاحمت۔

(۳) قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت بالمعنیٰ کو روایت باللفظ کے درجہ تک پہنچانے کے لئے تحقیق سے عدم التفات بلکہ ایسی کوشش کئے جانے کی مخالفت اور مزاحمت۔

(۴) قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود روایات باللفظ کے ما بقیہ کو سعی بلیغ اور انتھک تحقیق کے ذریعہ اِسناد عالی تک لے جانے سے عدم التفات بلکہ کسی ایسی کوشش کی مخالفت اور مزاحمت۔

(۵) قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجود روایات بالمعنیٰ کے ما بقیہ کو سعی بلیغ اور انتھک تحقیق کے ذریعہ اِسناد عالی تک لے جانے سے عدم التفات بلکہ کسی ایسی کوشش کی مخالفت اور مزاحمت۔

(۴) تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ 661 عیسوی کے بعد قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے امت مسلمہ کو درج ذیل نظریات ۔کے اختیار کرنے اور کاموں کو انجام دینے کے لئے مجبور کیا گیا:

(۱) تحقیق کے بجائے تقلید جامد پر عمل کے لئے مجبور کیا گیا۔

(۲) افضل قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصول کی سعی بلیغ کرنے کے بجائے مفضول ذخیرہ پر قناعت کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔

(۳) رفع اِسناد کے بجائے ھبط اِسناد پر مجبور کیا گیا۔

(۵) تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصول اور اس کی تحفیظ کے لئے تحقیق اور اس کی سعی بلیغ کرنے کی کوئی باضابطہ اور منظم کوشش نہیں ہوئی بلکہ اس کے برخلاف ہر وہ صورت اختیار کی گئی جس سے قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے آثار و ثبوت صفحۂ ہستی سے مٹ کر رہ جائیں۔ اس طرح کی دو خطرناک صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) صورت اول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور ان سے متعلق چیزوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے قبضہ میں لے لینا اور انہیں مستقل طور پر ضائع کر دینے کی کوشش۔ یہ ایک کثیر الجہات عمل تھا۔ اس کارروائی کی ایک صورت وہ تھی جس کا ذکر حضرت مسور بن مخرمہ نے

"ابو داؤد : کتاب النکاح: باب مایکرہ ان یجمع بینھن من النساء" میں کیا ہے۔
اسی سلسلے کے دوسرے واقعے کا ذکر ابو داؤد نے ہی 'کتاب الخاتم' میں کیا ہے۔

(۲) صورت دوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول اور ان سے متعلق چیزوں اور تحریروں کو تباہ کرنے کی دوسری صورت اس رسم کی صورت میں رائج کی گئی جس کا ذکر بڑے فخر سے معاویہ بن أبی سفیان کے ضمن میں کیا جاتا ہے۔ یعنی پوری ملت اسلامیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار، مکتوبات اور باقیات کو تبرکاً قبروں میں دفن کر دینا۔

ملاحظہ فرمائیں: (۱) الإستیعاب لابن عبد البر: ج ۱ ص. ۲۶۲
(۲) نزھة الأبرار: تذکرہ معاویہ

(۶) چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی جانب سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے روئے ارض پر موجود متجانبی تاریخ، متجانبی آثار، متجانبی ثبوت اور متجانبی باقیات، تحریروں اور نشانات کو مشخص کرنے، ان کو حاصل کرنے یا حصول کے ناممکن ہونے کی صورت میں انہیں وہیں محفوظ کرنے اور ان سب کی متعدد وجوہ اور صور میں تدوین (Documentation) کرنے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ ان کے ضائع اور تلف ہونے کی صورتیں پیدا کی گئیں۔

(۷) چنانچہ 661 عیسوی کے بعد قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تباہ و برباد کرنے کی سب سے عظیم الشان، ہولناک، منظم اور دور رس نتائج کی حامل کارروائی وہ تھی جسے تاریخ اسلام 'وضع حدیث، کے نام سے جانتی ہے۔ کوکبی مقتدرہ کی براہ راست نگرانی اور شرکت اور مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے تعاون سے قول رسول اللہ، سنت رسول اللہ اور سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روئے ارض سے ختم کر دینے کی سب سے بڑی کارروائی "تحریک وضع حدیث" تھی جو فی الواقع اب تک بڑی کامیاب ثابت ہوئی ہے۔

(۸) 'احادیث' کے موجود بڑے ذخیرے کا وقت نظر سے جائزہ لینے سے کئی باتیں سامنے آتی ہیں:

(۱) 'وضع حدیث' کی سازش اور اس کے تحت کی گئی کارروائیاں نہایت وسیع الاطراف، جامع اور منصوبہ بند تھیں۔

... کی پوری کوشش کی کہ اس

سازش اور اس کے تحت کئے گئے جرائم کے سارے ثبوت مٹا دیئے جائیں تا کہ آئندہ کوئی کبھی یہ معلوم ہی نہ کر سکے کہ یہ سب کچھ کیا تھا؟ کیسے ہوا؟ کیسے کیا گیا؟ اور کس نے کیا؟ یہ جداگانہ بات ہے کہ ایسا کرنے والے یہ بھول گئے کہ ایسا کر کے وہ خلق خدا کو نہیں بلکہ دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو چیلنج دے رہے ہیں۔

(۹) احادیث کے موجود بڑے ذخیرہ کا دقیق جائزہ اس عاجز کو اس نتیجہ تک لے جاتا ہے کہ 661 اور 915 عیسوی کے مابین یعنی احمد بن شعیب النسائی کے انتقال تک بلکہ اگر اسے مزید توسیع دے دی جائے تو محمد بن عبدالحاکم نیشاپوری کے انتقال ۱۰۱۶ عیسوی تک ـــــ احادیث کے کم از کم تین 'عظیم مخزونات' پائے جاتے تھے یا انہیں پایا جانا چاہئے۔ یہ عظیم مخزونات بالیقین مکتوب اور مجموع تھے یا انہیں مکتوب اور مجموع ہونے چاہئیں۔ بدرجۂ اقل یہ 'عظیم مخزونہ' صرف ایک عدد بھی ہو سکتا ہے۔ جسے مخزونہ عظیم یا Sacramentum Mundi/Magnum Opus/Magnum Repositorium کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ مخزونہ عظیم لازماً مکتوب اور مجموع تھا۔

لیکن بوجوہ یہ عاجز پورے وثوق سے یہ رائے رکھتا ہے کہ ان عظیم مخزونات کی تعداد کم از کم تین تھی۔ ان تین عظیم مخزونات کو یہ عاجز درج ذیل ناموں سے موسوم کرتا ہے:

(۱) مخزونہ عظیم اوّل: SMI / MOI / MRI

(۲) مخزونہ عظیم دوم: SMII / MOII / MRII

(۳) مخزونہ عظیم سوم: SMIII / MOIII / MRIII

عاجز اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ مخزونہ عظیم سوم (SMIII / MOIII / MRIII) 700-720 عیسوی کے مابین لازماً پایا جاتا تھا۔ اس لئے اس عاجز کے نزدیک مخزونہ عظیم سوم ہی وہ بنیادی ماخذ ہے جس سے احادیث کی دو تاریخی روئیں نکلیں اور ان سے مخزونہ عظیم سوم دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔

(۱) مخزونہ عظیم سوم س ب: SMIII SB

(۲) مخزونہ عظیم سوم س ن: SMIII SN

عاجز کی رائے میں مخزونہ عظیم سوم وہی ہے جس کے حوالے:

(۱) بخاری (810-870)

(۲) مسلم (817-865)

(۳) ترمذی (824-893)

(۴) ابوداؤد (817-888)

(۵) ابن ماجہ (824-886)

دیتے ہیں اور سب سے چونکانے والی اور قابل غور بات یہ ہے کہ اسی کا حوالہ

(۶) حاکم نیشاپوری (متوفی۱۰۱۶)

بھی دیتے ہیں۔ اگر یہ مخزونہ عظیم سوم پایا نہ جاتا تو حاکم کا المستدرک علی الصحیحین مرتب کرنا اور یہ کہنا بے معنی ہو جاتا ہے کہ "یہ حدیثیں بھی شیخین کی شرائط پر پوری اترتی ہیں"۔

(ملاحظہ فرمائیں: حاکم نیشاپوری: المستدرک علی الصحیحین: جلد. اوّل)

(۱۰) ظاہر ہے کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتحال اور امت میں از کراں تا کراں وضع حدیث کی تحریک کی لہراتی ہوئی موجیں امت کے مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی نگاہوں میں لازماً ہوں گی۔ ایسی صورت حال میں امت مسلمہ کے سامنے اس تعلق سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ 'مخزونات عظیم' جن کو اس عاجز نے مخزونہ عظیم اول، دوم، سوم، سوم س ب اور سوم س ن قرار دیا ہے وہ کہاں ہیں؟ وہ تمام مخزونات منظر عام پر کیوں نہیں آئے؟ وہ کیوں غائب کر دیے گئے؟ انہیں کس نے غائب کیا؟ انہیں اب تک ڈھونڈھا کیوں نہیں گیا؟ انہیں ڈھونڈھنے میں کون مانع ہوا؟ ان مخزونات کے دوبارہ مل جانے اور واقعی اصل ثابت ہو جانے سے کسے خطرہ لاحق ہے؟

(۲) جب کوئی محدث مثلاً بخاری یا مسلم یہ کہتا ہے کہ میں نے چالیس لاکھ حدیثوں میں سے اتنی مثلاً بخاری کہتے ہیں: "تقریباً" چھ لاکھ احادیث میں سے دس ہزار حدیثیں منتخب کی' ـــــ (ملاحظہ فرمائیں: مقدمہ فتح الباری) ـــــ تو اگر تکرار کی رعایت بھی کی جائے اور بخاری کی منتخب کردہ حدیثوں کی تعداد کو صرف چھ ہزار اور جمع کردہ حدیثوں کی تعداد کو صرف ایک لاکھ بھی مان لی جائے جب بھی بقیہ چورانوے ہزار حدیثیں کہاں گئیں؟ بخاری کا مجموعہ کیوں غائب کر دیا گیا؟ اگر بخاری نے خود ہی ایسا کیا تو کس مبلغ علم سے ان پر یہ بات منکشف ہوئی کہ ان چھ ہزار حدیثوں کے علاوہ بقیہ حدیثیں جو ان کی شرائط پر پوری نہیں اتریں وہ اس قابل بھی نہیں کہ روئے

زمین پر ان کا وجود باقی رہے؟ وہ بخاری ہی کیوں نہ ہوں امت مسلمہ ان سے یہ پوچھنے کا حق رکھتی ہے کہ کیا وہ عقل کل تھے کہ کوئی حدیث ان کی شرائط پر پوری نہیں اتری یا ان کی عقل اس کے سمجھنے سے قاصر رہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو اور امت کے اس ورثہ کو وہ ضائع کر دیں۔ ضائع کر دینے کا ان کو کیا حق پہنچتا ہے؟ ان حدیثوں کو ضائع کرنے کی اتھارٹی انھیں کس نے دی؟

(۳) اگر بخاری نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے تقریباً دس ہزار منتخب کر کے بقیہ 'متون' کو ضائع کر دیا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حاکم نے سوا سو سال بعد ان حدیثوں اور ان کے متون کو کہاں سے پایا جسے وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی شیخین کی شرائط پر پوری اترتی ہیں۔

(۴) ترمذی جب اپنی سنن میں ضعیف، مرسل، منقطع، اور مضطرب روایتوں کو بھی اپنی مخصوص اصطلاح کے تحت درج کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دراصل یہ حدیثیں تو ضعیف ہیں لیکن کسی نہ کسی امام حدیث کی معمول بھا رہی ہیں اس لئے ان کے نزدیک یہ روایتیں اس قابل ہیں کہ انہیں درج کیا جائے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترمذی کو دو باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں:

(۱) یہ حدیثیں 'ضعیف' ہیں اور انھیں بیشتر نے 'ضعیف' قرار دیا ہے۔

(۲) بعض یا اکثر کے ذریعہ ایسی حدیثوں کو ضعیف قرار دینے اور فلاں اور فلاں امام حدیث کی فلاں اور فلاں حدیث کو معمول بہا قرار دینے کی بات انھیں کہاں سے معلوم ہوئی؟

حقائق اور ان کی تفصیلات پر غور کرنے سے علم ہوتا ہے کہ احادیث کے مدون ہونے والے مجموعوں کے متوازی 'عظیم مخزونات' کا ایک اور سلسلہ لازماً اس وقت چل رہا تھا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مخزونات کہاں گئے؟ اب تک کیوں پردۂ خفا میں ہیں؟ اور کن کے پاس ہیں؟ انہیں کون چھپائے ہوئے ہے؟ اور کیوں چھپائے ہوئے ہے؟ اگر وہ ضائع کر دیئے گئے تو کیوں ضائع کر دیئے گئے؟ کس ثبوت کو ختم کرنے کے لئے ایسا کیا گیا؟

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق ہوئی نہ کبھی ان کی تحفیظ بلکہ پوری قوت سے ان چودہ سو سالوں میں انہیں ضائع کرنے کے اسباب پیدا کئے گئے۔ ظاہر ہے ایسے اسباب مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے علاوہ اور کون پیدا کر سکتا ہے؟

تحفیظ مخالف نظام: چہارم

آثار رسول اللہ

(ا) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات 632 عیسوی میں واقع ہوئی۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس دن سے لے کر آج تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اس کے آثار کو مٹانے کی مسلسل اور منصوبہ بند کوشش کی جارہی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور اس کے آثار اور نشانات کو تباہ کرنے کے چار مخصوص ادوار کی نشاندہی بخوبی کی جاسکتی ہے:

(ا) 632-661: اس مدت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ان کے آثار کو محفوظ رکھنے کی بوجوہ کوئی خاص جدوجہد نہیں کی گئی۔

(۲) 661-900: اس مدت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ان کے آثار کو چن چن کر اور ڈھونڈ ھ ڈھونڈ ھ کر تباہ کیا گیا۔

(۳) 900-1924: اس مدت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ان کے آثار جو کچھ بھی اور جہاں کچھ بھی بچ رہے تھے ان کو بچانے اور ان کی تقویت اور استحکام کے لئے متجانبی آثار اور متجانبی ثبوت فراہم کرنے کی جدوجہد نہیں کی گئی۔

(۴) 1924-2006: اس مدت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ان کے آثار کو 661-900 کی طرح ہی پھر سے تباہ و برباد کرنے کی باقاعدہ کوشش کی گئی۔

(۲) 661عیسوی سے تا حال (2006) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، اس کے آثار، ثبوت، نشانات، تاریخ، متجانبی تاریخ، متجانبی ثبوت اور متجانبی آثار کو اور اسی طرح عہد ابوبکر، عہد عمر، عہد عثمان اور عہد علی کے آثار، ثبوت، تاریخ، متجانبی آثار، متجانبی تاریخ اور متجانبی ثبوت کو محفوظ کرنے کی کوئی جدوجہد نہیں کی گئی۔ چنانچہ اس تعلق سے قابل ذکر امور درج ذیل ہیں:

(۱) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھے اور لکھوائے خطوط، ان کی اصل اور ان کی نقل اوّل کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماوراء جزیرۃ العرب کے سربراہوں کو لکھے یا لکھوائے خطوط، ان کی اصل اور ان کی نقل اول کو حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۳) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی اصل اور ان کی نقل اول کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۴) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظامی فرامین کی اصل اور ان کی نقل اول کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۵) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جزیرۃ العرب کے اندر اور ماوراء جزیرۃ العرب کے ذمہ داران کے ساتھ طے پانے والے معاہدات، یقین دہانیوں، یادداشتوں، ان کی اصل اور ان کی نقل اوّل کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۶) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظامی، شرعی اور عسکری قضایا کی اصل اور ان کی نقل اول کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۷) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عسکری مہمات کے منصوبے اور اسٹریٹیجک ہدایات و تفصیلات کی اصل اور ان کی نقل اول کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۸) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظامی و شرعی فیصلوں، ان کی اطلاع اور یادداشت کی اصل اور نقل کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۹) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وفود کی جانب سے دیئے گئے تحائف یا ان کی تفصیلات کو محفوظ کرنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ Non perishable ... تھے تو ان کو آنحضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد محفوظ کرنے اور رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۱۰) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے تمام عمال کے خطوط رپورٹیں، گوشوارے، محصولات کی تفصیلات، انتظامی امور کی تفصیلات ان پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبصروں کی اصل اور ان کے نقول حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

(۱۱) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کسی بھی متعلقہ دستاویز کو حاصل کرنے اور اسے محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

(۳) اسی طرح خلیفہ اوّل ابوبکر بن ابی قحافہ کے عہد کے خطوط، فرامین، احکامات، سربراہوں کے ان کے نام خطوط، سربراہوں کے نام ان کے خطوط، معاہدات، قضایا، فیصلوں اور انتظامی اور دیگر امور کے دستاویزات کی اصل کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔

(۴) اسی طرح خلیفہ دوم عمر بن خطاب کے عہد کے خطوط، فرامین، احکامات، سربراہوں کے ان کے نام اور سربراہوں کے نام ان کے خطوط، ان کی اصل اور نقل معاہدات، قضایا، فیصلوں اور انتظامی امور کے دستاویزات کی اصل کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۵) اسی طرح خلیفہ سوم عثمان بن عفان کے عہد کے خطوط، فرامین، احکامات، سربراہوں کے ان کے نام اور سربراہوں کے نام ان کے خطوط، ان کی اصل اور نقل، معاہدات، قضایا، فیصلوں اور انتظامی امور کے دستاویزات کی اصل کو حاصل کرنے اور انہیں محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔

(۶) 656-661 کے مابین وقوع پذیر ہونے والے تمام ہولناک واقعات کے تعلق سے وہ اہم دستاویزات جو یا تو ان عظیم فتنوں کا سبب کہلائے یا جو ان فتنوں میں کسی بھی فریق کی صداقت کو ثابت کرنے والے ہوسکتے تھے یا جو تاریخ اسلام کے اہم ترین دستاویزات میں شمار ہو سکتے تھے انہیں حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ ان اہم دستاویزات میں درج ذیل قابل ذکر ہیں:

(۱) وہ مبینہ خط جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خلیفہ سوم عثمان بن عفان کی شہادت کا سبب بنا۔

(۲) وہ تحریری معاہدہ جو معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو ابن العاص کے مابین طے پایا۔

(۳) جنگ صفین کے وقت تحکیم کے جملہ دستاویزات مثلاً

(ا) تجویز تحکیم کے دستاویزات۔

(۲) تحکیم پر رضامندی ہونے پر تحکیم کرانے کے ضوابط طے ہونے کے دستاویزات۔

(۳) ان ضوابط پر تحکیم کی اصل کارروائی کے دستاویزات اور

(۴) تحکیم کے ناکام ہوجانے سے متعلق دستاویزات وغیرہ

(۴) وہ دستاویز جو معاویہ بن اُبی سفیان نے حسن بن علی سے خلافت کی دستبرداری کے وقت لکھوائے۔

(۵) وہ دستاویز جو معاویہ بن اُبی سفیان نے یزید کی ولی عہدی کے لئے تیار کروائے اور جن پر 679 میں پوری خلافت اسلامیہ میں بیعت لی گئی۔

(۷) ان تفصیلات کے درج کرنے پر بادی النظر میں یہی تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے اس وقت ان کے محفوظ رکھنے کا چلن عام نہ ہو لہذا ایسی کوتاہی یا غفلت لاعلمی کے سبب بھی ہوسکتی ہے۔ جب کہ ایسا سوچنا سراسر بیوقوفی اور دوسروں کو ایسا باور کرانا سراسر عیاری ہے۔ اس کے درج ذیل اسباب واضح ہیں:

(۱) اس وقت جزیرۃ العرب کو ہر سہ جانب سے جن دو سوپر پاورس نے گھیر رکھا تھا وہاں نہایت ترقی یافتہ Documentation کی روایت پائی جاتی تھی جس سے جزیرۃ العرب کے لوگ پوری طرح باخبر تھے۔

(۲) جس معاشرے میں معاہدے ہوں اور خفیہ معاہدے بھی تحریری ہوں، وہ خود اس کا ثبوت ہے کہ وہاں دستاویزات تیار کرنے، رکھنے، محفوظ رکھنے، اختلاف کی صورت میں انہیں پیش کرنے کا عام رواج تھا۔ اس لئے انہیں لاعلمی کی کوتاہی قرار دینا دراصل اپنے جہل یا بدنیتی کا ثبوت دینا ہے۔

(۸) تحقیق دراصل عاجز کو اس مقام تک لے گئی جہاں وہ پورے جزم سے یہ کہہ سکتا ہے کہ ان تمام دستاویزات کو پورے شعور کے ساتھ اور منصوبہ بند طریقے سے ضائع کیا گیا۔ ورنہ کوئی مقتدرہ کا اسلام ـــــ دین اللہ کو اسلام مذہب بنانے اور 'وضع حدیث' کے ذریعہ اسلام کی نئی صورت گری کرنے کا جو منصوبہ تھا وہ ناکام ہوجاتا۔

تحفیظ مخالف نظام: پنجم

حساس تحفظات

(۱) تاریخ انسانی میں 'حساس تحفظات' (Sensitive Reservations) کا ہمیشہ لحاظ اور پاس رکھا گیا ہے۔ 'حساس تحفظات' عام طور پر تین عنوانات سے متعلق ہوتے ہیں:

(۱) اپنے حساس تحفظات: ان سے مراد ایسے اشخاص، مقامات، امور، اشیاء اور آداب سے متعلق 'حساس تحفظات' ہیں جو کسی قوم کے لئے بے حد مقدس، محترم اور محبوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ قوم ان کے وجود اور احترام کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑی سے بڑی تکلیف گوارا کر لیتی ہے یا بڑی سے بڑی قربانی دے دیتی ہے۔

(۲) دوسروں کے حساس تحفظات: ان سے مراد ایسے اشخاص، مقامات، امور، اشیاء اور آداب سے متعلق حساس تحفظات ہیں جو کسی دوسری قوم کے لئے ـــــ خواہ وہ متحارب ہی کیوں نہ ہو ـــــ بے حد مقدس، محترم اور محبوب ہوتے ہیں۔ چنانچہ پہلی قوم متحارب ہونے کے باوجود دوسری قوم کے ان حساس تحفظات کا لحاظ کرتی ہے اور اس کے لئے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کم سے کم طاقت کا استعمال (Minimum use of force or Use of minimum force) کرتی ہے اور بعض اوقات بہت جانی اتلاف (Excessive Casualties) تک کو گوارا کر لیتی ہے لیکن دوسروں کے حساس تحفظات کو پامال نہیں کرتی۔

(۳) انسانی حساس تحفظات: ان سے مراد ایسے اشخاص، مقامات، امور، اشیاء اور آداب سے متعلق حساس تحفظات ہیں جو بحیثیت مجموعی نسل انسانی کے لئے قابل احترام اور قابل تحفظ

ہوتے ہیں اوران کا ہر حال میں لحاظ کیا جاتا ہے۔

(۲) اسلامی تاریخ میں درج تفصیلات پڑھ کرامت مسلمہ کا ایک ادنی احساس رکھنے والا فرد بھی حیران ہو جاتا ہے کہ 661 عیسوی کے بعد مذہبی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی حیثیت سے وہ کون لوگ تھے جو امت پر مسلط ہو گئے تھے؟ ان کی کیا اصل تھی؟ وہ کون لوگ تھے جو دوسروں کے حساس تحفظات یا انسانی حساس تحفظات کا لحاظ رکھنا تو دور کی بات ہے خود اسلام کے حساس تحفظات کا کبھی پاس و لحاظ نہیں رکھا اور انھیں پامال بھی کیا تو ایسی بے رحمی سے جس کا تصور وحشی قوموں میں بھی نہیں ہو سکتا۔ 661 عیسوی میں برسر اقتدار آنے والے لوگ ایسے تھے جو مسلمانوں کی جان، مال اور عصمت کی حرمت کا لحاظ کیا رکھتے ــــ انہوں نے اللہ، رسول اللہ، قرآن، کعبۃ اللہ، حرم، مسجد نبوی، روضۂ رسول غرض کسی کا بھی پاس و لحاظ نہیں کیا۔ اور حرمتیں پامال بھی کیں تو ایسی بے دردی اور بے رحمی سے کہ الامان والحفیظ۔ امت کم از کم درج ذیل حادثات کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

(۳) 8 اکتوبر 680: تاریخ میں درج ساری تفصیلات بھی اگر نظر انداز کر دی جائیں اور صرف ان بیانات کو سر بہ سر تسلیم کر لیا جائے جو بنی امیہ کی جانب سے درج ہیں جب بھی خانوادۂ رسول پر مشتمل وہ قافلہ غیر متحارب (Non-Combatant) قرار پاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ احتیاطی طور پر گرفتار کیے جانے کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ لیکن جس طرح بے دردی سے انہیں قتل کیا گیا اور اس سے زیادہ جس طرح آج تک امت مسلمہ کو امتی تحقیق کرنے سے روکنے، اس پر پردہ ڈالنے یا اسے جائز اور ناگزیر ٹھہرانے کی کوشش ان چودہ سو سالوں میں کی جاتی رہی ہے وہ پوری امت کے سامنے سوال پیدا کرتی ہے کہ ایسا کرنے والے حکمراں، علماء اور مشائخ اصلاً آخر ہیں کون؟

(۴) 26 اگست 683: ماقبل درج حادثہ کی طرح اگر یہاں بھی تاریخ میں درج ساری تفصیلات نظر انداز کر دی جائیں اور صرف ان بیانات کو تسلیم کر لیا جائے جو بنی امیہ کی جانب سے درج ہوئے ہیں جب بھی تین دنوں تک حرہ میں جس طرح انصار اور اہل مدینہ کا قتل عام ہوا، مدینہ کی لوٹ ہوئی، ہزاروں عورتوں کی عصمت دری ہوئی (ابن کثیر جیسے مورخ تک کے قول کے مطابق ان تین دنوں کی عصمت دری کی نتیجے میں ایک ہزار سے زائد مدینہ کی عورتیں حاملہ ہوئیں جن میں جانے کتنی صحابیات تھیں) مسجد نبوی اور روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو جس طرح پامال کیا گیا اس کا کوئی جواز ثابت نہیں ہوتا۔ ایسا کرنے والے جو بھی تھے لیکن جس طرح ان چودہ سو سالوں میں اس کی تحقیق سے امت کو روکا

گیا اور اس پر پردہ ڈالنے، اسے جائز ٹھہرانے اور اس میں ملوث افراد کو محترم قرار دینے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ وہ پوری امت کے لئے ایک سوال پیدا کرتی ہے ــــــ چودہ سو سال سے ایسا کرنے والوں کی اصل اور حقیقت کیا ہے؟ یہ کون لوگ ہیں؟

(۵) ستمبر 683: ماقبل درج حادثوں کی طرح یہاں بھی اگر تاریخ میں درج ساری تفصیلات نظر انداز کر دی جائیں اور صرف بنی امیہ کے بیانات سراسر تسلیم کر لئے جائیں جب بھی مکۃ المکرمہ کا جس طرح محاصرہ کیا گیا اور جس طرح کعبۃ اللہ کے ساتھ اور مکہ کی آبادی کے ساتھ سلوک کیا گیا اس کا کوئی جواز ثابت نہیں ہوتا۔ تین چوتھائی مکہ منجنیقوں کی سنگ باری سے ملبے کا ڈھیر ہو گیا۔ کعبۃ اللہ پر منجنیقوں کی سنگ باری ہی کیا کم تھی کہ فلاخن باری سے ٹوٹی ہوئی اور ملبے میں دبی ہوئی لکڑیوں میں آگ لگ گئی اور تباہ ہونے سے جو کچھ بچ گیا تھا وہ بھی راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ ان چودہ سو سالوں میں اس ہولناک واقعہ کی اصلی حقیقت اور اس میں شامل افراد کے اصل منشاء کو جاننے کے لئے غیر جانبدارانہ تحقیق کی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی جانب سے امت مسلمہ کو آج تک حقائق جاننے کی اجازت نہیں ملی کہ ان کے پیچھے اصلاً کون لوگ تھے اور وہ جو کچھ کیا اور کروایا جا رہا تھا اس کا اصل مقصد کیا تھا؟

(۶) چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر چند کہ امت کے دل میں اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور دیگر شعائر اسلام کے لئے محبت کا دریا ہمیشہ موجزن رہا ہے اور وہ قرون مشہود لھا بالخیر میں صحابہ کرام کی طرح ہی ان سے محبت کر رہی ہے لیکن 661 عیسوی سے ان پر مسلط حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے بار باران کے ان احساسات کو اتنا مجروح اور لہولہان کر دیا ہے کہ گویا اب امت Stoic ہو گئی ہے چنانچہ ہر ایسے واقعہ پر صرف بے بسی کے ساتھ اسے ٹک ٹک دیکھتی ہے۔ چودہ سو سالوں سے حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے ان Sadistic رویوں کو جھیلتے جھیلتے اب ایسا لگتا ہے کہ امت اس کی عادی ہو چکی ہے چنانچہ اٹھارہویں، انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں ایسے متعدد واقعات رونما ہوئے اور امت بے بسی سے انہیں صرف دیکھتی رہی کہ کس طرح امت مسلمہ کے 'حساس تحفظات' کو بے دردی سے پامال کیا گیا۔ جو بات امت مسلمہ کی روح کو بار بار ڈستی ہے یہ ہے کہ ایسے واقعات سے پہلے، واقعات کے رونما ہوتے وقت اور رونما ہونے کے بعد بالعموم حکمرانوں اور بالخصوص علماء اور مشائخ میں ان واقعات کے تعلق سے "عدم حساسیت" پایا جاتا ہے ایسا ہونے کے

اسباب کی تحقیق، ایسا کرنے والوں کا امتی سطح پر احتساب اور آئندہ ایسا نہ ہونے کے تدارک کے تعلق سے امتی سطح پر مناسب اقدام کرنے سے ان کا 'عدم حساسیت' تاریخی اور روایتی رہا ہے۔ بلکہ تاریخ کا مطالعہ علماء اور مشائخ کے اس نظریہ اور اصول کی شہادت دیتا ہے کہ اسلام اور اس کے قوانین فی الواقع کوئی معنی نہیں رکھتے۔ طاقت اصل ہے۔ طاقت اور غلبہ ہی جواز کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ طاقت کے کسی بھی ظالمانہ استعمال سے غالب آجانے والے فرد اور طبقہ کے تمام کام جائز اور حَسَن قرار پاتے ہیں۔ وہ احتساب سے بالاتر ہے۔ 661 عیسوی کے بعد حکمرانوں، علماء، اور مشائخ کے مسلسل تعامل نے اسلام کی یہی تاریخ اور توجیہ پیش کی ہے۔ اسلام کے سارے قوانین صرف مغلوب، مقہور اور کمزوروں کے لئے ہیں۔ 661 عیسوی کے بعد اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ صرف اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ علماء اور مشائخ نے طاقت ور ظالم کی ہر بات بلا تحقیق مان لی ہے۔ اسی طرح کا ایک ہولناک واقعہ حالیہ دنوں میں پیش آیا ہے۔

(۷) نومبر 1979: ماقبل کے مذکورہ تینوں واقعات ساتویں صدی عیسوی کے ہیں۔ "حساس تحفظات" کی پامالی کا زیر نظر بدترین واقعہ نومبر 1979 میں مسجد حرام یعنی کعبہ میں پیش آیا۔ کہا جاتا ہے کہ سعودی فوج کا ایک سابق افسر اور مدینہ میں حدیث کا طالب علم جہیمن بن محمد بن سیف العتیبی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوگیا۔ وہاں موجود حجاج کرام کے سامنے اس نے تقریریں کیں چنانچہ اطلاعات کے مطابق حجاج کی ایک کثیر تعداد اس کے ساتھ ہوگئی۔ سعودی فوج نے مسجد حرام کا محاصرہ کرلیا۔ ابتدائی کارروائیوں میں سعودی فوج کے سرخیل (Elite) دستوں کو ناکامی ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ سعودی سرخیل (Elite) دستوں کی ہمدردیاں بھی جہیمن کے ساتھ ہونے لگی تھیں۔ چنانچہ حکومت سعودیہ نے مغربی ملکوں سے مدد طلب کی اور ایک مغربی ملک نے اپنے EliteCommandos کے سینکڑوں افراد کو سعودی عرب بھیج دیا۔ حکومت سعودیہ نے کعبۃ اللہ اور مسجد حرام کو اس مغربی ملک سے آئے ہوئے کمانڈوز کے حوالے کردیا جنہوں نے کعبۃ اللہ اور مسجد حرام میں کیمیاوی ہتھیاروں سے حملہ کر کے بالآخر مسجد حرام خالی کرالیا۔

قطع نظر اس سے کہ مسجد حرام میں داخل ہوجانے والے کون تھے اور ان کا اصل مقصد کیا تھا اس دوران جو کچھ اور جیسا کچھ سلوک مسجد حرام جیسے مقام کے ساتھ روا رکھا گیا اور علماء اور مشائخ نے اس کی جس تائید کی ... بات ... ہیں کہ مسجد حرام میں واقع ہونے

والے اتنے بڑے اور سنگین حادثہ کی نہ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ امتی تحقیق ہوئی، نہ ایسی تحقیق کی ہر ہر جزو کی تفصیلات پر مشتمل رپورٹ شائع کی گئی، نہ اتنے بڑے اقدام کے کرنے سے پہلے امت کو اعتماد میں لیا گیا۔ اور آج تقریباً تیس سالوں کے بعد بھی امت کو حتمی طور پر معلوم نہیں کہ آخر ان دنوں کعبۃ اللہ اور مسجد حرام میں اس واقعہ کے ذمہ دار کون تھے، وہ کیا چاہتے تھے اور ان کی حقیقی صورت حال کیا تھی؟ کیا مسجد حرام کو واقعی خطرہ لاحق تھا؟ کیا جو اقدامات کیئے گئے وہ ناگزیر تھے؟ کیا پر امن طور انہیں نکالنے کے سارے اقدامات کر لئے گئے تھے؟ اور سب سے اہم بات یہ کہ مسجد حرام اور کعبۃ اللہ جیسے' حساس تحفظات' کے لئے کیا رعایت ملحوظ رکھی گئی؟ اس تعلق سے اب تک سامنے آنے والی باتیں ـــــ جن میں چند درج ذیل ہیں ـــــ سنگین ہی نہیں بلکہ آنے والے دنوں میں سنگین مضمرات اور عواقب کی حامل بھی ہو سکتی ہیں۔

(۱) مسجد حرام اور کعبہ کو ہزاروں مغربی فوجوں کے حوالے کر دیا گیا۔

(۲) مسجد حرام اور کعبہ میں داخلے کے لئے مبینہ طور پر ان مغربی کمانڈوز کا پچاس گھنٹوں کے لئے نمائشی طور پر اسلام قبول کرنا اور کارروائی ختم ہونے پر جس دین کے ساتھ آئے تھے ویسے ہی واپس ہو جانا۔

(۳) مسجد حرام کے متعدد حصوں کو ٹینکوں اور بلاک بسٹر بموں سے اڑا دینا۔

(۴) مسجد حرام میں ہر طرف اور زیر زمین کیمیاوی ہتھیاروں کا بے محابا استعمال کر کے لوگوں کو ہلاک اور زخمی کرنا۔

(۵) مسجد حرام میں مبینہ طور پر ایسا کرنے والوں کا امت مسلمہ کے سامنے کھلی عدالت میں مقدمہ چلانا نہ انہیں اس کی تفصیلات سے آگاہ کرنا۔

امت مسلمہ کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ کیا 1990 میں لاکھوں کی تعداد میں مغربی افواج کا جزیرۃ العرب میں آجانا امت کے اسی بھرم کے کھل جانے کا پہلا نتیجہ تھا؟ کیا امت کسی ایسے اقدام کی اجازت دے سکتی ہے؟ اور کیا وہ اسکا تصور بھی کر سکتی ہے کہ حکمرانوں کی ان کارروائیوں اور علماء و مشائخ کی تائید کو نظیر بنا کر دنیا کی دیگر اقوام' حرمین شریفین' کے لئے کسی ایسی ہی جسارت کا ارتکاب کریں؟

تحفیظ مخالف نظام: ششم

دینی حمیت کا انہدام

(ا) 'حساس تحفظات' کے تعلق سے کی جانے والی صریح خلاف ورزیوں کا ایک سلسلہ ہے جو 661 عیسوی سے اب تک ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ بعض سادہ لوح کسی حتمی علم کے بغیر مسلمانوں میں رائج تراشی اور خراشی ہوئی تاریخ (Tailored History) اور ان میں درج کارناموں کے بے حد مداح ہیں اور بڑے فخر سے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے بطور خاص جب سارٹن (Sarton) اور بروکلمان (Brockelmann) کے بعد سِجزن (Sezgin) نے اسے موثق بنانے میں زور صرف کیا ہو۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اگر ان سادہ لوح لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہو جائے جو اصلی ہے تو وہ صرف خون کے آنسو ہی بہا سکتے ہیں۔ کس طرح 661 کے بعد وہ سب کچھ کیا گیا جس سے اسلام، قرآن، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، ان کی حیات طیبہ، ان کے قول اور امت مسلمہ کی تاریخ غارت اور نابود ہو جائے اور امت کی ساری طاقت، وسائل اور مواقع ان امور پر لگائے گئے جو اسلام کو بالآخر غارت کرنے والوں کے ہتھیار بن گئے۔ بعض سادہ لوگ جن واقعات اور مساعی کا اکثر ذکر کرتے ہیں ان میں تین ذکر کئے جاتے ہیں:

(ا) ابن ندیم (995-936) نے الفہرست (ص ۳۲۸) میں خالد بن یزید بن معاویہ کے بارے میں لکھا:

"ان کے دل میں صنعت (کیمیا) کو فروغ دینے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ انہوں نے یونانی فلاسفہ کے کچھ لوگوں کو بلوایا جو مصر میں فروکش تھے اور اچھی عربی جانتے تھے اور انہیں

اس صنعت کی کتابوں کو یونانی زبان سے عربی میں منتقل کرنے پر مامور کیا۔"

(۲) ابن خلدون (1406-1332) نے مقدمہ (صفحہ ۴۸۵) میں لکھا:

"چنانچہ ابو جعفر منصور نے شاہ روم کو لکھا کہ کتب تعالیم ترجمہ کے ساتھ بھیجے"

(۳) صلاح صفدی (1362-1296) نے لکھا (شرح لامیہ العجم ج اول صفحہ ۶۹)

"جب مامون بعض ملوک نصاری ——— سے غالباً وہ جزیرہ قبرص کا بادشاہ تھا ——— کتب یونان کا ذخیرہ طلب کیا جو ان کے یہاں ایک مکان میں مقفل تھا اور کسی کو اس کی ہوا لگنے نہیں دی جاتی تھی......"

(۲) امت مسلمہ کے بعض سادہ لوح ان عبارات کو دیکھ کر بہت خوش ہو جاتے ہیں۔ پوری تاریخ میں یہ امت حقائق سے بے خبر حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے نافذ کردہ نظام میں ظاہر کئے جانے والے خوشنما بیانات پر خوش ہوتی رہی ہے۔ اسے کیا معلوم کہ ان خوشنما امور کے پس پردہ کن عظیم سازشوں نے اسے بالکل کھوکھلا کر دیا ہے۔ اگر مذکورہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر کچھ سوالات قائم کئے جائیں تو شاید تقریب فہم ہو۔

جب عہد بنی امیہ (750-661) اور عہد بنی عباسیہ (1242-750) میں نظام عالم (World Order) ہمارے ہاتھوں میں آ گیا تھا:

(۱) امت کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے روئے زمین پر پائی جانے والی مختلف تہذیبوں، زبانوں اور ثقافت میں بکھرے ہوئے اس مواد پر مشتمل اصلی (Original) اور تفصیلی Giant Reference Encyclopaedia تیار کرانے کی طرف توجہ کیوں نہیں دی جس کا ذکر قرآن جیسی کتاب میں وحی الٰہی کے حوالے سے درج ہے؟

(۲) امت کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے ان اولین انسانی مآخذ تک ——— جو معدوم اقوام بائدہ کی زبانوں سے لیکر ہمعصر تمام زبانوں تک میں مندرج ہیں ——— پہنچنے، انہیں حاصل کرنے، انہیں قابل افہام و تفہیم بنانے اور ان کی تالیف کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی جس سے قرآن بحث کرتا ہے۔ انہوں نے ایک آفاقی ہمہ ——— زمانی بشری اولین مآخذ مخزونہ (Universal-All-Time-Human-Primary Sources Compendium) تیار کروانے کی کوشش کیوں نہیں کی۔

(۳) امت کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے قرآنی بنیادوں پر آدم علیہ السلام سے نبی آخری الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک کے احوال پر مشتمل عالمی اصلی اولین ماخذ سے اسلام دین اللہ کی تاریخ مرتب کرنے کی طرف اقدامات کیوں نہیں کیے۔؟

(۴) امت کے حکمراں، علماء اور مشائخ نے آدم علیہ السلام سے لے کرتا حال ساری دنیا میں موجود کتب سماوی کی اصل اور ان کے متون کی تلاش قران کے حوالے سے کیوں نہیں کی؟

(۵) امت کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے آدم علیہ السلام سے بعثت نبوی تک ساری دنیا کی قدیم زبانوں میں موجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے مختلف خطوں میں پائے جانے والے انبیاء ورسل اور صلحاء کے مبشرات وارشادات کے اصل متون تک پہنچنے اور ان کو ان کی حقیقی اور قدیم ترین صورت حال میں بازیافت کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟۔

(۶) امت کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے اس نیت اور ارادے سے ساری دنیا کے اسفار اور دیگر ضروری اقدامات کیوں نہیں کیے تاکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آثار و باقیات بالخصوص ان کے خطوط، مکتوبات اور دیگر باقیات کو جمع اور محفوظ کیا جائے۔

(۷) انسان جذبات، عواطف، تعلق اور قربت کا مجموعہ ہے۔ دعوت کے حوالے سے ہی سہی ایسی جدوجہد کا ساری دنیا کی سطح پر آغاز کیوں نہیں کیا گیا تاکہ ان تمام صحابہ کے اصلی وطن اور ان کے متعلقین کا پتا لگایا جاتا تاکہ ان ملکوں میں ان کے حوالے سے اسلام کے لئے جذبات کو انگیز اور دلوں کو گداز بنایا جاتا۔ بلال کون تھے؟ کہاں پیدا ہوئے تھے؟ ان کا قبیلہ، ان کا علاقہ، ان کا ملک اور ان کے لوگ کون تھے؟ صہیب کون تھے؟ کہاں پیدا ہوئے تھے؟ ان کا وطن اور وہاں ان کے متعلقین کون کون تھے؟

(۸) امت مسلمہ کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے اپنے اپنے زمانے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط حاصل کرنے کے لئے ساری دنیا کے ملکوں اور ان کے متاحف (Archives) سے رابطے کیوں قائم نہیں کئے؟ ان ملکوں کے Archives میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، عہد ابوبکر، عہد عمر، عہد عثمان اور عہد علی کے تعلق سے کیا کیا تفصیلات، دستاویزات، رپورٹس اور آراء محفوظ ہیں؟ ان کے حصول کی کوشش کیوں نہیں کی؟ انہوں نے بعثت نبوی اور اسلام کی دعوت کے تعلق سے ہم عصر ممالک میں پائے جانے والے ذاتی اور سرکاری تاثرات کو جمع کرنے کی کوشش کیوں نہیں

کی؟ یہ سب کچھ اسلام کی تاریخ مرتب کرنے اور اسے موثق بنانے کے لئے کیوں نہیں کیا گیا؟

(۹) امت مسلمہ کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے اپنے اپنے زمانے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق معاصر زبانوں میں مواد کی فراہمی اور ان کی ترتیب کیوں نہیں کروائی؟

(۱۰) امت مسلمہ کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے عہد نبوی سے لے کر تا حال اپنے اپنے عہد میں اسلام ——— دین اللہ، امت مسلمہ محمدیہ اور امت وسط کی تاریخ سے متعلق تمام ملکوں، تہذیبوں، زبانوں اور خطوں میں پائے جانے والے مواد اور دستاویزات کے اصل کا حصول کرنے اور انہیں محفوظ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟

(۳) خوش فہمیوں میں رہنے اور مخلصین کی ہزارہا کوشش کے باوجود غیر حقیقی تخیل کے سراب سے نکل کر حقائق کی زمین پر کھڑے ہونے سے مسلسل انکار کرنے کا کیا علاج! لیکن اگر امت مسلمہ 661 عیسوی سے تا حال حاوی علماء اور مشائخ اور ان کی تخلیق کردہ فضاء کے سحر سے باہر آ جائے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ان کی تاریخ میں درج علمیت اور اس میں گہرائی اور گیرائی کے سارے دعوے کتنے کھوکھلے ہیں۔ امت کو ان کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے مفلس بنا کر رکھ چھوڑا ہے۔ امت کا بیشتر علمی ذخیرہ ابتر (Root less) اور بے تمکین (Unstable) ہے۔ اس کی تعریف صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو یا تو بے علم ہیں یا متعصب یا جھوٹے۔ ہمارا علمی سرمایہ کتنا ابتر اور بے تمکین ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ یہ ایک اقتباس ہے جو امت کے ایک جہبذ کی تحقیق لطیف ہے۔ امت کی علمی دنیا کا یہ ستون ایک ایسے عہد سے تعلق رکھتا ہے جب ہمارے عالمی نظام (World Order) کے زوال کی آمد آمد تھی اور ہم اپنے تغلب کے نصف النھار سے ابھی ابھی مائل بہ انحطاط ہونا شروع ہوئے تھے۔ ہمارا نام نہاد علمی خزانہ لبالب بھرا ہوا تھا۔ ساری دنیا کے علمی خزانوں تک پہنچے ہوئے ہمیں چھ سو برس سے زائد ہو چکے تھے۔ یہ عبارت جلال الدین سیوطی (1445-1505) کی ہے۔ امت کی تاریخ کے نصف النھار پر اس کے ایک عظیم اہل علم کی تحقیق کا کیا حال ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔ سیوطی مالک بن انس کی الموطأ میں درج ایک حدیث میں آئے لفظ جبرائیل کی تحقیق فرماتے ہوئے اپنی کتاب "تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالک" میں لکھتے ہیں:

"(أن جبريل) فيه ثلاث عشرة لغة قرئ بها و اكثرها فى الشاذ أو ردها أبو حيان فى بحره والسمين فى اعرابه جبريل بالكسر و بالفتح جبرئيل

کخندریس و بلایاء بعد الھمزہ و کذلک إلا أن اللام مشددة و جبرائیل وجبرائل وجبرال وجبرایل بالیاء والقصر و جبراییل بیائین أو لا ھما مکسورة و جبرن وجبرین و جبرائین. قال الإمام جمال الدین بن مالک ناظماً سبع لغات

جبریل جبریل جبرائیل جبرئل و جبرئیل و جبرال و جبرین

وقلت مذیلا علیه بالستة الباقیة

و جبرئل و جبراییل مع بدل جبرائل و بیاء ثم جبرین

قولی مع بدل اشارة إلی جبرائین لأنه أبدل فیه الیاء بالھمز فواللام بالنون قال ابن جنی فی المحتسب العرب إذا نطقت بالأعجمی خلطت فیه و أصل الاسم کوریال الکاف بین الکاف والقاف ثم لحقه من التحریف علی طول الاستعمال یا أصاره إلی ھذه التفاوت قال و قد قیل ان معنی جبریل عبد الله و ذلک ان الجبر بمنزلة الرجل والرجل عبد الله وألّ بالنبطیة اسم الله تعالیٰ قال ولم یسمع الجبر بمعنی الرجل إلا فی شعر ابن أحمر وھو قوله

اشرب براورق حییت به وانعم صباحا أیھا الجبر.........

لاحول ولا قوة إلا بالله. ایسا لگتا ہے کہ کوئی اندھا آدمی مچھر مارنے کے لئے لوگوں کی بھیڑ میں بنوٹ چلا رہا ہو۔ اس عاجز نے اس تحقیق کا صرف ایک حصہ درج کیا ہے ورنہ سیوطی کی تحقیق تقریبا تین صفحات پر محیط ہے۔ سیوطی نے اس تحقیق میں اپنے مبلغ علم کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کے بیسیوں اساطین کے حوالے دیئے ہیں۔ سیوطی کو جو ضرورت درپیش تھی اسے بیان کرنے کے لئے بمشکل بارہ الفاظ درکار ہوتے۔ بات صرف اتنی تھی کہ اپنے نظام عالم کے نصف النھار پر پہنچی ہوئی قوم کے سرخیل جہبذ کو جبریل کے معنی معلوم تھے نہ لفظ کی تحقیق تھی۔ سیوطی نے اپنے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کے بیسیوں اساطین کے حوالے دے کران کی بھی اوقات بتادی۔ جس قوم کے علمی اساطین کو سات سو سالوں کے نظام عالم (World Order) چلانے کے باوجود قرآن میں نازل شدہ ایک لفظ جبریل کی تحقیق نہ ہو اس قوم نے قرآن کی کیا تحقیق کی ہوگی اور اس سے کتنا استفادہ کیا ہوگا بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ ہمارے اس علمی ذخیرے کا جو ہمارے اجداد نے [illegible] ہے اور جس کے حوالے سے ہم خوش

فہمیوں کا نگارخانہ سجائے بیٹھے ہیں اصلی حال یہ ہے۔

(۴) دراصل مسئلہ زیرِ بحث تھا امت مسلمہ کے علمی سرمائے میں ان حوالوں کا جن کی روشنی میں امت عہد اموی اور عہد عباسی میں علمی مہمات سر کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ عاجز ان مہمات کا انکار نہیں کرتا۔ وہ واقعات و بیانات نادرست نہیں۔ وہ یقیناً درست ہیں لیکن وہ امت کے واقعات نہیں ہیں۔ امت کے اقتدار میں جو لوگ رسوخ رکھتے تھے وہ ان کے کام تھے لیکن وہ ہم نہیں تھے۔ عہد اموی اور عہد عباسی میں آبادی دو حصوں پر مشتمل تھی۔ ذہین قومیں اپنا کام کر رہی تھیں اور امت کے حکمراں، علماء اور مشائخ نے امت کو ان چیزوں میں مشغول رکھا ہوا تھا جنہیں اس عاجز نے ابتر اور بے تمکین کہا ہے۔ 661 عیسوی سے 1000 عیسوی تک امت پر طاری اس صورتحال کو سمجھنے کے لئے آج ایک نادر اور بالکل ملتی جلتی مثال دستیاب ہے۔

پچھلے ساٹھ سالوں میں (1946-2006) میں مشرق وسطی میں تیل کی نکلی دولت سے دنیا کے دو طبقوں نے استفادے کئے۔ اگر دونوں کے استفادہ کی مقدار کو یکساں اور برابر بھی مان لی جائے جب بھی دونوں طبقوں کے استعمالات جداگانہ ہوئے جو درج ذیل ہیں:

(۱) طبقۂ اوّل (عرب، غیر عرب مسلمان علماء، دانشور، حکومتیں اور ادارہ جات):

پچھلے ساٹھ سالوں میں طبقۂ اول نے تیل سے حاصل شدہ دولت کا 99 فیصد حصہ نالیوں میں بہادیا (Poured into the gutters) ہے۔ اس لئے کہ اس کا استعمال اکثر سیر و تفریح اور جاہ و تزک کے اظہار کرنے، بڑی بڑی عمارتیں بنوانے اور استہلاکیت (Consumerism) میں کیا گیا۔

(۲) طبقۂ دوم (غیر مسلم بالخصوص مغربی اور مشرقی اقوام، حکومتیں اور ادارہ جات):

پچھلے ساٹھ سالوں میں طبقۂ دوم نے تیل سے حاصل شدہ دولت کا پچاس فیصد (50%) طویل مدتی منصوبوں پر، تیس فیصد (30%) وسط مدتی منصوبوں پر اور صرف بیس فیصد (20%) ان کاموں میں صرف کیا ہے جس میں امت مسلمہ کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے ننانوے فیصد صرف کیا ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ صرف ان ساٹھ سالوں میں امت کی قیادت یعنی حکمرانوں، علماء اور مشائخ نے جتنی دولت سیر و تفریح کر کے اور کھا پی کر اڑادی اتنی ہی دولت سے امت میں ایک 'عظیم علمی انقلاب' آسکتا تھا۔ یہی صورت حال عہد اموی اور عہد عباسیہ میں تھی

جس کے تعلق سے ہم فریب نظر کا شکار ہیں۔

(۵) اصل مسئلہ زیر بحث تھا ''حساس تحفظات'' کی پامالی اور ''دینی حمیت کے انہدام'' کا۔ چنانچہ تاریخ کا غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امت میں حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی پوری تاریخ 'حساس تحفظات' کی پامالی اور 'دینی حمیت کے انہدام' کی تاریخ ہے۔ اس تعلق سے اولین عہد کے ایک فرد سے متعلق صرف ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ ہمیں اپنی پوری تاریخ پر از سر نو غور کرنے اور اسلام دین اللہ کی صحیح تصویر کو مشخص کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ واقعہ عمرو ابن العاص اور مصر سے متعلق ہے۔ اس واقعہ کے تناظر میں دو سوالات قائم ہوتے ہیں:

(۱) کیا عمرو ابن العاص خالص اسلامی جذبہ اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے عین مطابق مصر گئے تھے؟

(۲) کیا انہوں نے مصر جا کر اس اسلامی جذبہ اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا پاس اور لحاظ رکھا؟

(۶) عمرو ابن العاص نے 639 میں مصر پر پیش قدمی کی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ان کی ذاتی مہم تھی اور خلیفۂ دوم عمر ابن الخطاب نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ انہیں ایک ایسے وقت اس کا علم ہوا جب واپسی اسٹریٹجک طور پر مسلمانوں کی ہلاکت اور ان کی ہواخیزی پر منتج ہوتی۔ عمرو ابن العاص 639 میں مصر کی سرحد میں داخل ہوئے۔ 640 میں پیلوسیم (Pelusium) فتح ہوا۔ بازنطینی سلطنت کو ہیلیو پولیس (Heliopolis) میں شکست ہوئی (640)۔ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مصر کا مرکز علم وفن اسکندریہ (Alexandaria) تھا۔ اسکندریہ کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا ــــ جو دراصل مصر کے ہی نہیں بلکہ مغربی بازنطینی سلطنت کے تین بڑے پیشواؤں میں سے ایک تھے ـــــــــ بطریق کائروس (Cyrus) نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ کوئی خون خرابہ نہ ہو۔ چنانچہ بطریق کی کوششوں سے اہل شہر نے مسلم افواج کو شہر حوالہ کر دیا۔ واضح رہے کہ بطریق کائروس کوئی اور شخصیت نہیں بلکہ وہی 'مقوقس' ہیں جن کی مراسلت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی اور جو اس عاجز کی تحقیق کے مطابق اسلام میں داخل ہی ہونا چاہتی تھی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو تاریخ میں وہ داخل ہونے والے سب سے بڑے روحانی پیشوا ہوتے اور شاید پورا یوروپ اس واقعہ سے اسی وقت داخل اسلام ہو چکا ہوتا۔

تاریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکندریہ میں جو کچھ ہوا، وہاں ہم نے اپنا جو چہرہ اور اپنے

ارادے اور عزائم پیش کئے اور مصر میں آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے مداح اور قریبی فرد سے جو سلوک کیا اس نے نہ صرف مصر پر بلکہ پوری عیسائی دنیا پر ہماری نہ مٹنے والی ایک الگ تصویر پیش کی جو آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر سے بالکل مختلف تھی۔ تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہم نے اہل مصر اور عیسائیوں کی سب سے ترقی یافتہ علمی آبادی کے سامنے خود کو کشور کشا (Empire Builder) کی صورت میں پیش کیا۔ چنانچہ 'مقوقس' نے وہی کیا جو ایک باغیرت انسان کو کرنا چاہئے۔ بطریق کا رُوس کی کوششوں سے اہل شہر تہہ تیغ ہونے سے بچ گئے۔ برقہ اور پینٹاپولس (Pentapolis)(642-43) میں فتح ہو گئے۔

اس تعلق سے چند سوالات درج ذیل ہیں:

(ا) کیا عمرو ابن العاص نے مصر میں اسلام کے 'حساس تحفظات' کا لحاظ کیا؟ مصر میں اسلام کے 'حساس تحفظات' کم از کم درج ذیل تھے:

(الف) آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدعو خاص اور مصر اور مغربی بازنطینی علاقے کی سب سے بڑی مذہبی شخصیت مقوقس۔

(ب) حضرت ابراہیم کی والدہ محترمہ حضرت ماریہ اور ان کی بہن حضرت سیرین اور ان کا خاندان، ان کا علاقہ 'حفن' اور 'انصنا'

(ج) حضرت ہاجرہ اور ان کا علاقہ اُم العریک، اُم دنین اور بحیثیت مجموعی الفرما اُوالطینہ (Pleuse ou Avaris)۔

یہ سارے اشخاص، قبائل، آبادی، علاقے، مقامات اور باقیات، اسلام کے 'حساس تحفظات' تھے۔ یہ محض 'حساس تحفظات' ہی نہیں تھے بلکہ اسلام اور مصر کے مابین حق کی دعوت کے Anchors تھے۔ ذہین قومیں اپنی دعوت کے لئے حقیقی تعلق کے فقدان کی صورت میں مصنوعی تعلق (Artificial Linkages) کی داستانیں گھڑتی ہیں جھوٹی نسبتیں پیدا کرتی ہیں۔ اللہ نے اسلام کو وہاں حقیقی Anchors عطا فرمائے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خاص تاکید فرمائی تھی۔

چنانچہ آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر کے متعلق فرمایا تھا:

" إذا افتتحتم مصر فاستوصوا بأهلها خيراً فإن لهم ذمة و رحما. فقلت محمد ابن مسلم الزهرى : ماالرحم التى ذكر رسول الله صلى الله عليه

وسلم؟ فقال : كانت هاجر أم إسماعيل منهم"۔

تاریخ کا غیر جانبدارانہ جائزہ یہی بتاتا ہے کہ عمرو ابن العاص نے مصر میں اسلام کے 'حساس تحفظات' اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا بالکل پاس نہیں کیا۔ ان تمام 'حساس تحفظات' کو انہوں نے نہ صرف پامال کیا بلکہ جو کچھ خلیفۂ دوم عمر بن الخطاب کے عہد میں نہ کر سکے اسے عہد معاویہ میں جی بھر کر پورا کیا۔ اس حوالے سے سب سے اہم سوال یہ ہے:

کیا عمرو ابن العاص جب مصر میں اور بطور خاص اسکندریہ میں داخل ہوئے تو وہاں داخل ہونے سے پہلے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشہور مکتوب کی بازیابی، اس کی حفاظت اور اس کو مدینہ منورہ بھیجنے کے لئے کوئی مؤثر اقدام کیا؟ یا اس بات کو یقینی بنایا کہ وہ ضائع نہ ہو؟ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا قطعاً نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا کیا گیا ہوتا تو وہ مکتوب سینکڑوں سالوں سے ایک یہودی کی ملکیت نہ ہوتا۔

لیکن اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ ان چودہ سو سالوں میں امت کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکتوب کی تلاش اس کی بازیافت اور اس کی حفاظت کا خیال کیوں نہیں آیا؟ کیا کسی کو یہ خطرہ تھا کہ عہد اول کی اصل چیزوں کی دریافت اسلام کی بعد کے دنوں میں پیش کردہ تصویر پر سوالیہ نشان لگا دیتی؟۔

تحفیظ مخالف نظام: ہفتم

انہدام علاقہ محفوظ

'حساس تحفظات' کی صریح پامالی کا ایک وہ دور ہے جو انیسویں صدی کے نصف سے جزیرۃ العرب میں شروع ہوا۔ انیسویں صدی میں شروع ہونے والی اس پامالی نے دین اللہ، قران، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت وسط کی تاریخ، آثار، باقیات اور نوادرات کی ایسی بے حرمتی اور پامالی کی ہے اور ان کے عصمت کو ایسا تار تار کر دیا ہے جس کی تاریخ میں مثال نہیں مل سکتی۔ اس عدیم النظیر پامالی میں مذہبی حکمران، مذہبی علماء اور مذہبی مشائخ یکساں طور پر شریک ہیں۔ دین اللہ، قران، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت وسط کی تاریخ کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی یہ سب سے بڑی، سب سے منصوبہ بند اور سب سے خوفناک سازش ہے۔ یہاں اس کی گنجائش تو نہیں کہ اس کی تفصیل بتائی جائے لیکن ذیل میں اس سازش کے سارے تار و پود کی ایک جھلک درج کر دی جاتی ہے ویسے اللہ تعالیٰ کے پاس تو سب کچھ درج ہے۔ یہاں اس عاجز نے اصل، سرکاری اور قانونی دستاویزات تک پہنچنے اور ان کے اوریجنل متون کے حصول کے لئے ماٰخذ تک رسائی کو آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔ امت کو اصل حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے آنے والے صفحات میں اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اصل، قانونی اور موثق متن درج کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

(1) First Saudi Assurances to Britain: 21st April,

1866: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th edition), Vol. 11, pp. 206.

(2) British Treasury Minute on Arrangements for Loan to Purchase the Khedive's Interest in the Suez Canal Company: 25th November, 1875: Vide: Great Britain, Parliamentary Papers, 1876, Vol. 83, pp. 139.

(3) Anglo-Egyptian Agreement for purchase of Khedive's Suez Canal Company Shares with Explanatory letter of British Agent and Consul General: 25th-27th November, 1875: Vide: Great Britain, Parliamentary Papers 1876, Vol. 83, pp. 140-42.

(4) Disraeli's Defence Before the House of Common's of His Suez Action: 21st February, 1876: Vide: G.B., Parliamentary Debates, Commons, 3rd Ser.,: Vol. 227, Cols. 652-61.

(5) Agreement: Great Britain And the Shaykh of Bahrayn: 22nd December, 1880, Ratified by the British Government, 1881: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th Edition), Vol. 11, pp. 237.

(6) Masqati Nonalignation Bond Given To The United Kingdom, 20th March, 1891, Ratified by Viceroy of India, Simla, 23rd May, 1891: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th Edition), Vol. 11, pp. 317-18.

(7) Exclusive Agreement: The Bahrayni Shaykh and Britain: 13th March, 1892, Ratified by the Viceroy of India, Simla, 12th May, 1892: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th Edition), Vol. 11, pp. 238.

(8) The (Basle) Program of the World Zionist Organization: 20th August, 1897: Vide: N. Sokolow: History of Zionism (London, 1919): Vol. I, pp. 268-69.

(9) Exclusive Agreement: The Kuwaiti Shaykh and Britain: 23rd Janaury 1899: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th Edition), Vol. 11, pp. 262.

(10) Resolution of the Arab-Syrian Congress at Paris: 21st June, 1913: Vide: Translated from the French text in G.P. Gooch and H. Temperley, British Documents on the Origins of the War: Vol. 10(II), pp. 826.

(11) Anglo-Ottoman Draft Convention on the Persian Gulf Area: 29th July 1913: Vide: Translated from French text in G.P. Gooch and H. Temperley, British Documents on the Origins of the War: Vol. 10(II), pp. 190-94.

(12) The Kuwayti Shaykh's Pledge to Britain Regarding oil: 27th October, 1913: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th Edition), Vol. 11, pp. 264-65.

(13) The United Kingdom's Recognition of Kuwayt as an Independent State under British Protection: 3rd November, 1914: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th Edition), Vol. 11, pp. 265-66.

(14) Establishment of the British Protectorate over Egypt: 18th-19th December, 1914: Vide: British And Foreign State Papers: Vol. 109, pp. 436-39.

(15) Secret (London) Agreement: The Entente Powers and Italy: 26th April 1915: Vide: Great Britain,

Parliamentary Papers, 1920, Misc. No. 7, Cmd. 671.

(16) British Treaty with the Idrisi Sayyid of Sabya: 30th April, 1915, Ratified by the Viceroy of India, Delhi: 6 November, 1915: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th Edition), Vol. 11, pp. 177.

(17) The Husayn-McMahon Correspondence: 14th July, 1915 - 10th March, 1916: Vide: Great Britain, Parliamentary Papers, 1939, Misc. No. 3, Cmd. 5957.

(18) British Treaty with Ibn Saud: 26th December, 1915, Ratified by the Viceroy of India, Simla: 18th July, 1916: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th Edition), Vol. 11, pp. 206-08.

(19) Tripartite (Sykes-Picot) Agreement for the Partition of the Ottoman Empire: Britain, France and Russia, 26th April-23rd October, 1916: Vide: E.L. Woodward and R. Butler, eds. Documents on British Foreign Policy, 1919-1939, Ist Ser. Vol. 4, pp. 241-51.

(20) British Treaty with the Shaykh of Qatar, 3rd November, 1916, Ratified by the Viceroy of India, Delhi, 23rd March, 1918: Vide: C.U. Aitchison, Collection of Treaties (1933, 5th Edition), Vol. 11, p. 258-60.

(21) Tripartite (Saint-Jean De Maurienne) Agreement for the Partition of the Ottoman Empire: Britain, France and Italy, 19th April - 26th September, 1917: Vide: Decision taken at Saint-Jean De Maurienne, E.F. Woodward and R.Butler, British Documents, 1919-1939, Ist Ser. Vol. 4, pp. 638-39, Agreement of 18th August, translated from French text. ibid. pp. 640-41.

(22) The British (Balfour) Declarations of Sympathy with Zionist Aspirations, 4th June - 2nd November, 1917: Vide: Cambon letter from N. Sokolow, History of Zionism: Vol. 2, p.53: Official Zionist formula from World Zionist Organisation, Executive, Political Report to the XIIth Congress, pp. 71-72, --- The Balfour Declarations from The Times (London): 9th November, 1917.

(23) British and Anglo-French Statements to the Arabs, January-November, 1918: Vide: Great Britain, Parliamentary Papers, 1939, Cmd. 5974, pp. 48-51.

(24) Armistice (Mudros): The Ottoman Empire and the Allied Powers, 30th October, 1918: Vide: Great Britain, Parliamentary papers, 1919, Cmd. 53, pp. 25-27.

(25) Amir Faysal's Memorandum to the Supreme Council at the Paris Peace Conference. 1st January, 1919: Vide: David Hunter Miller, My Diary at the Conference of Paris (New York; 1924), Vol. 4, pp. 297-99.

(26) Tentative Recommendations for President Wilson by the Intelligence Section of the American Delegation to the Peace Conference, 21st January, 1919: Vide: David Hunter Miller, My Diary at the Conference of Paris (New York; 1924), Vol. 4, pp. 254-67.

(27) The Zionist Organisation's Memorandum to the Supreme Council at the Peace Conference, 3rd February, 1919: Vide: David Hunter Miller, My Diary at the Conference of Paris, (New York; 1924), Vol. 5, pp. 15-29.

(28) Summary Record of the Secret Meeting of the Supreme Council at Paris to Consider the Sykes-Picot

Agreement, 20th March, 1919: Vide: Foreign Relations of the United States: The Paris Peace Conference, 1919, Vol. 5 (Washington; 1944), pp. 1-14.

(29) Ottoman Memorandum to the Supreme Council of the Paris Peace Conference, 23rd June, 1919: Vide: David Hunter Miller, My Diary at the Conference of Paris, (New York; 1924), Vol. XVI, pp. 479-84.

(30) Political clauses of the Treaty of Sevres, 10th August, 1920: Vide: Great Britain, Parliamentary Papers, 1920, Treaty Series No. 11, Cmd. 964, pp. 16-32.

شمار نمبر ۲۹ کے تحت درج خلافت عثمانیہ کے میمورنڈم کی شق ۵ میں مطالبہ کیا گیا تھا:

5. Arabia. The Arab Provinces lying to the south of the Turkish Countries, and including Syria, Palestine, the Hedjaz, the Asyr, the Yemen, Irak, and all the other regions which were recognised as forming an integral part of the Ottoman Empire before the war, would have a large measure of administrative autonomy, under the soveriegnty of His Imperial Majesty the Sultan. Representative of His Imperial Majesty the Sultan would be appointed at the Holy Places (Mecca, Medina and Jerusalem), and will have a gaurd of honour of limited numbers.

The hallowed custom of sending every year the sacred caravan (Surre) to the Holy Places shall be maintained with its usual ceremonies and in its usual form, as the despatch of this caravan is one of the ancient prerogatives of the Khilafate.

The distribution of the revenues of the pious foundations (Vakfs) shall continue without hindrance as in the past. These Vakfs were founded partly by the Ottoman Sultan and partly by private individuals, and have always been administered by the Khilafate. This system shall be maintained in its entirety.

The Governor of each autonomous province shall be appointed by His Imperial Majesty the Sultan, except in the Hedjaz, to which may be granted a special organisation in agreement with the power most directly interested in it. In all the Arab Countries the Ottoman flag shall fly on the territory of the smaret (Principality) or autonomous province. Justice shall be done in the name of His Imperial Majesty the Sultan, and the Coinage shall bear his name Tughra.

چونکہ سارے کام ایک عظیم سازش کے تحت ہو رہے تھے اس لئے خلافت عثمانیہ کے میمورنڈم کو یکسر مسترد کر دیا گیا اور وہ معاہدہ تیار ہوا جس کے سیاسی دفعات کا ذکر نمبر ۳۰ کے تحت کیا گیا ہے۔ اس معاہدے کا تیسرا حصہ سیاسی دفعات پر مشتمل ہے جس کی درج ذیل شقیں ہیں:

(6) Part III, Political Clauses:

(1)	Section 1.	Constantinople.
(2)	Section 2.	Straits.
(3)	Section 3.	Kurdistan.
(4)	Section 4.	Smyrna.
(5)	Section 5.	
(6)	Section 6.	Armenia.
(7)	Section 7.	Syria, Mesopotamia, Palestine.

(8) Section 8. Hedjaz.

(9) Section 9. Egypt, Soudan, Cypres.

(10) Section. 10. Morocco, Tunis.

(11) Section. 11. Libya, Aegean Islands.

(12) Section. 12.

(13) Section. 13. General Provisions.

خلافت عثمانیہ کو مجبور کیا گیا کہ وہ اس معاہدے پر دستخط کرے۔ چنانچہ ذیلی شق ۸ کے تحت درج ذیل امور جوامت مسلمہ کے لئے کتنے سنگین ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

Article 98: Turkey, in accordance with the action already taken by the Allied Powers, hereby recognises the Hedjas as a free and independent state, and renounces in favour of the Hedjas all rights and titles over the territories of the former Turkish Empire situated outside the frontiers of Turkey as laid down by the present Treaty, and comprised within the boundaries which may ultimately be fixed.

Article 99: In view of the sacred character attributed by Moslems of all countries to the cities and the Holy Places of Mecca and Medina, His Majesty the King of Hedjas undertakes to assure free and easy access there to Moslems of every country who desire to go there on pilgramage or for any other religious objects, and to respect and ensure respect for the pious foundations which are or may be established there by Moslems of any countries in accordance with the precepts of the law of the Koran.

Article: 100: His Majesty the King of the Hedjas under

takes that in commercial matters the most complete equality of treatment shall be assured in the territory of the Hedjas to the persons, ships and goods of nationals of any of the Allied Powers, or of any of the new states set up in the territories of the former Turkish Empire, as well as to the persons, ships and goods of nationals of States, Members of the League of Nations.

اس سلسلۂ واقعات کو یہ عاجز عظیم ترین سازش اس لئے قرار دیتا ہے کہ اگر اس معاہدے کی درج صرف تین ذیلی دفعات کو کوئی خوب غور سے پڑھ لے تو وہ بآسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتا ہے کہ اسلام، قران، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم، سنت رسول، قول رسول، سیرت طیبہ، حرمین شریفین اور امت وسط کی عصمت کے ایک ایک تار کو ادھیڑ کر رکھ دیا گیا ہے۔ تاریخ اسلام میں سلطنت حاصل کرنے کے لئے اس سے کریہہ ترین لین دین کی مثال شاید ہی ملے۔

اس معاہدے کے تمام دفعات کو پڑھ کر امت خود اندازہ لگا سکتی ہے کہ اسلام اور امت کی تاریخ کو مٹانے میں اب کیا کسر باقی رہ گئی ہے۔ ان واقعات کا سب سے بدترین پہلو امت کے دیگر حکمرانوں علماء اور مشائخ کی نہ صرف خاموشی ہے بلکہ ایسا کرنے والوں کی بڑھ چڑھ کر ثنا خوانی۔

تحفیظ مخالف نظام: ہشتم

قلب کا انہدام

(ا) خلافت عثمانیہ کا 1923 میں خاتمہ اور مشرق وسطی کی بالعموم اور جزیرۃ العرب کی بالخصوص تشکیل جدید بوجوہ 661 عیسوی کے بعد کوبی مقتدرہ کی ـــــ اسلام، قرآن، سنت رسول اللہ، سیرت طیبہ، قول رسول اللہ، الحکمۃ، الصلوۃ اور امت وسط کی اصلی تاریخ، آثار، ثبوت، متجانبی تاریخ، متجانبی آثار اور متجانبی ثبوت کو روئے ارض سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مٹاڈالنے کی سب سے بڑی، سب سے منظم، سب سے ہمہ گیر اور سب سے مؤثر کارروائی معلوم ہوتی ہے۔ کوبی مقتدرہ کی اس گھناؤنی سازش کا سب سے المناک پہلو یہ ہے کہ امت کے تقریباً تمام حکمراں، علماء اور مشائخ اس مہم میں بالواسطہ یا بلاواسطہ، علانیہ یا خفیہ اور ایجابی یا سلبی طور پر کوبی مقتدرہ کے ساتھ ہیں۔

اس ہولناک اور بدترین سازش کا پہلا دور ختم ہو چکا ہے اور اب دوسرا دور قریب الختم ہے۔ یہ دونوں ادوار درج ذیل ہیں:

(ا) پہلا دور: 1914-1950: یہ عہد جزیرۃ العرب میں بالعموم اور حرمین شریفین میں بالخصوص امت مسلمہ محمدیہ کی اصلی تاریخ، آثار، ثبوت، متجانبی تاریخ، متجانبی آثار اور متجانبی ثبوت کے باقی ماندہ باقیات کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا دور تھا۔ اس دور میں پوری تندہی اور باریکی سے اسلام اور امت وسط کی تاریخ کے تمام آثار مٹانے کے کوبی مقتدرہ کے مشن کو پورا کر لیا گیا۔

(2) دوسرا دور: 1950 سے جاری ہے۔ یہ مرحلہ 1950 میں

بظاہر'توسیع حرمین' کے عنوان سے شروع کیا گیا۔غور کرنے سے اس کے مقاصد پہلے دور کے مقاصد سے اب تک ہزاروں گنا زیادہ خطرناک ثابت ہوئے ہیں۔پوری دقت نظر سے جائزہ لینے اور کوبی مقتدرہ کی تاریخی کارروائیوں کے منہج کا استحضار کرنے کے بعد یہ عاجز اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ دوسرے دور کے اس مشن کی تفکیر ،تدبیر اور تعمیل حرمین شریفین کے موجودہ حکمران نہیں کر سکتے۔اس دور میں اب تک جو کچھ کیا جا چکا ہے اس کا جائزہ بتاتا ہے کہ کوبی مقتدرہ اس میں براہ راست کارفرما رہا ہے۔ممکن ہے اس کا احساس ذمہ داران کو نہ ہو یا وہ انہیں روکنے پر قادر نہ ہوں۔

اس دوسرے دور کا مقصد اس اساس،ادراک اور معلومات پر مبنی ہے جس کا ذکر میں نے کتاب کی ابتداء میں کیا ہے۔یعنی کوبی مقتدرہ کے علاوہ شائد ہی کسی اور کو اس کا علم ہو کہ اسلام،قران،سنت رسول اللہ،قول رسول اللہ،سیرت رسول اللہ اور امت مسلمہ کی تاریخ کی اساسی(Vital)نشانیوں اور ثبوت میں سے کتنے مٹا دیئے گئے اور کتنے باقی ہیں۔کوبی مقتدرہ جانتا ہے کہ اسلام اور امت مسلمہ کے تقریباً تمام اساسی آثار مٹا دیئے گئے ہیں۔لہذا کسی ایسے مشن کا آغاز کرنے والا صرف وہی ہوسکتا ہے جس کا مقصد ہو:

''اسلام،قرآن،سنت رسول اللہ،قول رسول اللہ،سیرتِ رسول اللہ،الحکم 'الصلوۃ اور امت وسط کی اصلی تاریخ،آثار،ثبوت،متجانبی تاریخ،آثار اور ثبوت کے ملنے کے امکان کا خاتمہ''

(۲) یہ صفائی(Clean up or Mop up Operation)مہم نہیں۔وہ مہم تو پوری ہو چکی۔یہ مہم ان امکانات کو ختم کرنے کی ہے جن سے آئندہ کبھی کوئی تاریخی ثبوت دستیاب ہوسکتا ہے۔باریکیوں پر غور کرنے سے اس مہم کے دو حصے نظر آتے ہیں:

(۱) پہلا حصہ:پورے جزیرۃ العرب کی عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے چلی آرہی

(۱)	زمینی	Land
(۲)	فضائی	Aerial
(۳)	زیرزمینی	Subterranean
(۴)	جغرافیائی	Geographical
(۵)	ماحولیاتی	Environmental

(۶) طبقات ارضی Geological

صورت حال کو بالکلیہ بدل ڈالنا۔

(۲) دوسرا حصہ: حرمین شریفین اور پورے جزیرۃ العرب میں بکھرے تمام اسلامی تاریخی مقامات مقدسہ کی عہد نبوی سے اب تک رہی سہی اور چلی رہی Status quo کو یکسر ختم کر دینا تا کہ امکانات کا کلی خاتمہ یقینی ہو جائے۔ اس کے درج ذیل عنوانات نظر آتے ہیں:

(۱) حرمین میں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث تمام انسانی تعمیرات کی نشانیوں کا خاتمہ۔

(۲) حرمین میں زیر زمین عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث تمام انسانی تعمیرات کی دبی نشانیوں کا خاتمہ۔

(۳) حرمین میں برسر زمین عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث تمام قدرتی Subterranean Natural Structures کا خاتمہ۔

(۴) حرمین میں زیر زمین عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث تمام قدرتی Landscape کا خاتمہ

(۵) حرمین کے پورے علاقہ میں زمین اور زیر زمین صورتحال کو دیو قامت مشینوں اور عظیم تباہیاں لانے والے آلہ جات اور انفجارات کا استعمال کر کے پورے حرمین کو فن آثار قدیمہ (Archeologically) کے اعتبار سے نا قابل استعمال و استفادہ بنا دینا تا کہ کسی بھی آثار کے ملنے کے سارے امکانات کلیتاً نابود ہو جائیں اور کبھی بھی کسی تاریخی وجود کا سراغ نہ لگایا جا سکے۔

(۶) حرمین کی زمینی، فضائی، جغرافیائی، ماحولیاتی اور طبقات ارضی صورتحال کو اس طرح تہہ و بالا کر دینا کہ وہ بالکل تبدیل ہو کر رہ جائے۔

(۷) حرمین کی معاشرتی صورت کو بالکلیہ تبدیل کر دینا اور انھیں نا قابل رجعت بنا دینا۔

(۸) موجودہ وقتی اور تیزی سے ختم ہونے والی مالی فراوانی کی آئندہ ناموجودگی کی صورت حال میں حرمین کے انتظام کو نا قابل نظم اور Highly Chaos Prone اور نا

قابل انتظام (Unmanageable) بنادیتا۔

(۳) دوسرے دور کی تفصیلات میں جانے سے قبل ایک موازنہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ موازنہ ہے دیگر اقوام کے 'حساس تحفظات' کے تعلق سے اختیار کردہ معیار اور امت مسلمہ میں بالعموم حکمرانوں، علماء اور مشائخ کے اور بالخصوص جزیرۃ العرب اور حرمین میں مذکورہ کارروائیاں کرنے والوں کے معیار کے مابین۔

ظاہر ہے اس مقام پر یہ عاجز جب جزیرۃ العرب اور حرمین کے ذمہ داروں کی ان کارروائیوں کا ذکر کرتا ہے جو وہ 1914 سے بالعموم اور 1950 سے بالخصوص کرتے رہے ہیں تو اس حوالے سے وہ صرف انہیں ذمہ دار قرار نہیں دیتا۔ اس عاجز کے نزدیک پوری ملت اسلامیہ کے تمام حکمراں، علماء اور مشائخ اس میں یکساں طور پر شریک اور ذمہ دار ہیں۔ اس لئے خوبی اور خرابی ہر دو صورتوں میں وہ بھی ذمہ دار قرار پائیں گے۔

(۴) حرمین شریفین میں 1950 سے کئے جانے والے کام کا معیار:

(۱) حرمین شریفین میں 1950 سے ہونے والے 'توسیع حرمین' کے کاموں کی تعمیلی سطح کی (At the Contruction Level) سب سے بڑی اور مؤثر ذمہ داری ایک ایسے شخص کے ہاتھوں میں اس وقت تک رہی جب تک کہ اس شخص کا 1967 میں انتقال نہیں ہو گیا جس کے کوائف درج ذیل ہیں:

(۲) اس شخص کی دو صلاحیتیں سب کو معلوم ہیں:

(۱) بمشکل پرائمری اسکول کے برابر کی تعلیم

(۲) تیس کے عشرے میں جدہ بندرگاہ پر پہلے بحیثیت قلی کام کرنے کا تجربہ اور بعد میں جدہ شہر میں راج مستری کی حیثیت سے کام کرنے کا تجربہ۔

اسلام کے قلب حرمین شریفین کی 'توسیع' کے اس عظیم الشان کام کو سرانجام دینے کے حوالے سے یہ ہے وہ معیار جو وہاں کے ذمہ داروں نے اختیار کیا اور جس کی تمام مسلم حکمرانوں، اور بالخصوص علماء اور مشائخ نے تائید کی اور ان کاموں پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔

(۵) اس کے بالمقابل ذیل میں یہ عاجز بیسویں صدی کے نصف آخر کے اس عظیم الشان تحقیق

اور تحفیظ کی کارروائی کا حال اختصار سے پیش کرتا ہے جس کا تعلق مغرب سے اور بالخصوص یہودیت اور عیسائیت سے ہے۔

(۶) 1947 میں سلطنت ہاشمیہ اردنیہ میں بحر مردار (Dead Sea) کے شمالی مغربی حصے میں وادی قمران میں ایک عرب بدو کو ایک غار میں مٹی کے چند گھڑے ملے جس میں مسجلات (Scrolls) تھے۔ عرب عوام، عرب علماء، عرب مشائخ، عرب دانشوروں اور عرب حکمرانوں کو اس کی کوئی خبر نہ تھی لیکن یہ خبر آناً فاناً عالم یہودیت اور عالم عیسائیت میں بجلی کی طرح کوندگئی۔ چنانچہ سب سے پہلے نہایت خفیہ طریقے سے ایسے مزید نوادرات کی تلاش اور انہیں مغرب لے جانے کی کوشش کا آغاز ہوا۔ 1956 تک گیارہ غاروں میں ملنے والا یہ مواد چھ سو مسجلات (600 Scrolls) پر مشتمل تھا جس کا مجموعی وزن کم وبیش پانچ سو کیلوگرام (500 kg) سے زیادہ نہ تھا۔ ان مسجلات کو بحر مردار مسجلات (Dead Sea Scrolls-DDS) کا نام دیا گیا۔

(۷) ان مسجلات کی دریافت نے عالم یہودیت اور عالم عیسائیت میں ایک بحران کی شکل پیدا کردی۔ تاریخ یہودیت اور تاریخ عیسائیت میں چند نازک خلاء پائے جاتے ہیں۔ اس دریافت میں دونوں مذاہب کے لوگوں کو ان خلاؤں کے پر ہونے کی امید کی کرن نظر آئی۔

(۸) یہ مسجلات تقریباً دو ہزار سالوں سے بحر مردار کی کیچڑ میں دھنسے پڑے ہوئے تھے چنانچہ ان کو چھونا بھی گویا انہیں ہمیشہ کے لئے ضائع کردینے کے مترادف تھا جس کے لئے نہ یہودیت تیار تھی اور نہ عیسائیت۔ اس وقت مغرب میں موجود سائنس اور ٹکنالوجی میں ایسی کوئی صورت نہیں پائی گئی جس سے انہیں مس کرنے کی بھی اجازت دی جائے۔

(۹) عالم یہودیت اور عالم عیسائیت ہر دو کو اندازہ تھا کہ یہ ان کی تاریخ کا عدیم النظیر سرمایہ ہے لہٰذا ان میں سے کوئی دوسرے پر اعتماد کرنے کو تیار نہ تھا۔

(۱۰) چنانچہ اس طرح 1948 میں کل ملا کر تقریباً چودہ فریق DSS میں ملوث ہو چکے تھے:

(۱) یہودی علماء
(۲) حکومت اسرائیل
(۳) یروشلم یونیورسٹی
(۴) راک فیلر فاؤنڈیشن

(۵) ویٹیکن

(۶) عیسائیت کے دیگر تمام بڑے فرقے

(۷) آکسفورڈ یونیورسٹی

(۸) حکومت برطانیہ

(۹) حکومت امریکہ

(۱۰) حکومت فرانس

(۱۱) حکومت جرمنی

(۱۲) حکومت سوویت یونین

(۱۳) حکومت اٹلی

(۱۴) اور برائے نام محض خانہ پری کے لئے سلطنت ہاشمیہ اردنیہ۔

(۱۱) بالآخر راک فیلر فاؤنڈیشن نے پیش قدمی کی اور کل ملا کر تقریباً دو بلین ڈالر کا ابتدائی بجٹ منظور کیا تا کہ ضروری ہزاروں سائنسدانوں کو بروئے کار لا کر اس کام کے کرنے کے لئے ضروری تکنیک ایجاد کی جائے، حسب ضرورت آلہ جات تیار کئے جائیں اور ایسی مہارت پیدا کی جائے تا کہ ان مسجلات کو چھویا، کھولا، پڑھا اور محفوظ کیا جا سکے۔ چنانچہ طے پایا کہ جب تک یہ کام نہ ہو جائے ان مسجلات کو مقفل رکھا جائے۔

(۱۲) چونکہ کوئی بھی فریق کسی پر اعتماد کرنے کو تیار نہ تھا اس لئے ہر مرحلہ کے لئے ہر فریق کے ماہرین پر مشتمل بیسیوں کمیٹیاں بنانی پڑیں۔ مثلاً مسجلات کی نگرانی کی کمیٹی، ان کے معائینے کی کمیٹی۔

(۱۳) دس سالوں کی انتھک محنت کے بعد ایسی تکنیک، ایسے آلہ جات اور ایسی مہارت پیدا کر لی گئی جن سے مسجلات پر کام کرنا ممکن ہو سکا۔ چنانچہ تقریباً دس سالوں بعد انہیں کھولنے کا کام شروع ہوا۔

(۱۴) مسجلات ہر فریق کے نزدیک تاریخ کا بے انتہا قیمتی سرمایہ تھا اس لئے ہر ممکنہ اندیشہ اور خطرہ کو سامنے رکھ کر دسیوں ضابطے بنائے گئے۔ مثلاً ہر روز ہونے والے کام کی ہمہ وقت ویڈیو گرافی، اور ہر روز، ہر ہفتہ اور ہر مہینے کی پروگریس رپورٹ کی اشاعت۔

(۱۵) 1947 سے 2006 تک ہزاروں سائنس دانوں اور ایک لاکھ سے زائد ماہرین نے اس پروجیکٹ پر کام کیا۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق دسیوں بلین ڈالر کا صرفہ آیا۔ اب تقریباً سارے مسجلات

پڑھ لئے گئے ہیں اور انہیں محفوظ کرلیا گیا ہے۔

(۱۶) اس عاجز نے ان مسجلات کے بعض حصوں کا مطالعہ کیا ہے۔ عاجز کی رائے ہے کہ قرآن، اسلام اور حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض نکات کے سمجھنے میں ان سے بڑی مدد ملتی ہے۔ بلکہ یہ مسجلات قرآن کی تصدیق کرتے ہیں۔ بالخصوص اس حصے کی جہاں قرآن عالم یہودیت اور عالم عیسائیت کے اس دور سے بحث کرتا ہے جس سے متعلق یہودیت کا سرمایہ خاموش اور عیسائیت کا دامن خالی ہے۔ یعنی حضرت زکریا، حضرت یحیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی بعثت کے ادوار۔

(۱۷) ذیل میں محض امت مسلمہ کی عبرت کے لئے یہ عاجز ان پانچ سو کیلوگرام مواد پر ہوئے کام، اس کے متون کی حفاظت اور ہر ہر جزو کی رپورٹنگ کی ایک مختصر کتابیات پیش کرتا ہے تا کہ ہمارے نام نہاد حکمرانوں، علماء اور مشائخ کو اور بالخصوص حرمین شریفین کے ذمہ داروں کو کچھ سوچنے کی توفیق ملے:

(1) Bibliographies of DSS:

1. B. Jongeling: A classified Bibliography of the Finds in the Desert of Judah 1958-1969.
2. J.A. Fitzmyer: The Dead Sea Scrolls: Major Publications and Tools for Study.
3. C. Koester: A Qumran Bibliography: 1974-1984. BTB 15. 1985.

(2) RevQ: یہ وہ مجلہ ہے جس میں ہر روز کے کام کی جاری روداد چھپتی تھی

(3) Text:

1. Burrows, DSSMM, Charlesworth, J.H. Princeton ed. 3 Vols.
2. F.M. Cross et al: Scrolls from Qumran Cave 1 Jerusalem, 1972.
3. R. De Vaux et al: DJD. 1. 1955
DJD. 2. 1961
DJD. 3. 1962

DJD. 4. 1965

DJD. 5. 1968

DJD. 6. 1977

DJD. 7. 1982

4. Sukenik, DSSHU- Convenient Student editions of the Hebrew text with Latin translations by P. Boccaccio (Rome)- IQpHab;

IQS,

IQSa,

IQM.

5. E. Lohse (ed): Die Texte aus Qumran (Munich 1971) for Vocalised Hebrew text.

(4). Concordance:

1. K.G. Kuhn: Konkordanz Zu den Qumran texien Gottingen, 1960) with Supplement in RevQ4. 1963.

(5). Translations:

1. J. Carmignac et al: Les Textes de Qumran, 2 Vols, Paris- 1961-62.

2. G. Vermes: The Dead Sea Scrolls in English.

3. T.H. Gaster: The Dead Sea Scriptures in English Translations.

4. B. Jongeling et al: Aramaic Texts from Qumran with Translations.

(6). Studies: General:

1. J.T. Milik: Ten years of Discovery in the

wilderness of Judea.

2. F.M. Cross Jr: The Ancient Library of Qumran .

3. E.M. Laperrousaz et al: Qumran, DBSup, 1978.

4. M. Delcor: Qumran: Sa piete, sa theologie et son milieu, Paris- 1978.

5. G. Vermes: The Dead Sea Scrolls: Qumran in Perspective, 1978.

6. B.Z. Wacholder: The Dawn of Qumran, 1983.

7. M. Wise: The Dead Sea Scrolls, BA49, 1986.

8. J. Murphy-O' Connor: EJMI, 1986.

9. M.A. Knibb: The Qumran Community, 1987.

10. M. Burrows: The Dead Sea Scrolls, 1955.

11. ________: More Light on the Dead Sea Scrolls, 1958.

________ Studies ________ Archeology:

12. P.R. Davies: Qumran.

13. R.D. Vaux: L'archeologie et les manuscrits de la Mer Morte, 1961.

14. E.M. Laperrousaz: Qoumran, Paris- 1976.

15. ______: BASOR 231, 1976.

16. ______: Rev.Q 10, 1980.

Studies ——— Theology:

17. H. Ringran: The Faith of Qumran, 1963.

اگر مسجلات(DSS) کے تمام فریقوں کی تمام مطبوعات کی تازہ ترین فہرست مرتب کی جائے تو اس عاجز کے ایک عام اندازہ کے مطابق ایسی فہرست تقریباً دس ہزار کتابوں پر مشتمل ہوگی۔ یہ عاجز اس حوالے سے صرف چند سوالات پیش کرنا چاہتا ہے:

(۱) جب گیارہ غاروں میں تقریباً پانچ سو کلوگرام تاریخی مواد کے لئے اتنا فکری، علمی، تحقیقی، سائنسی، تکنیکی، انتظامی، تحریری، طباعتی اور اشاعتی اہتمام کیا گیا تو پچھلے چودہ سو سالوں سے اپنے تاریخی ورثے کے حوالے سے مفلس، قلاش، غارت کردہ اور کھوکھلی بنادی گئی امت مسلمہ کو حرمین شریفین میں جہاں ان کے آثار کے پائے جانے کی آخری امید بچی تھی ایک پتھر کو اپنی جگہ سے ہٹانے کے لئے بھی کتنے اہتمام کی ضرورت تھی؟

(۲) کیا وہ ذمہ داران جنہوں نے حرمین شریفین کے سارے آثار اور برسرزمین اور زیرزمین باقیات کو تہہ و بالا کر کے اور ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا اور اسلام کی ایک ایک نشانی مٹادی اگر وہ اسلام کے لئے مخلص ہیں تو انہیں معلوم ہے کہ انہوں نے کیا کر کے رکھ دیا؟

(۳) کیا حرمین شریفین کے ذمہ داران تنہا اس کے لئے ذمہ دار ہیں؟ اس عاجز کے نزدیک قطعاً نہیں۔ وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایسا ان سے لاعلمی، بے خبری، بے وقوفی یا نا قابل اظہار مجبوری میں سرزد ہوگیا۔ لیکن ساری دنیا کے مسلم حکمران، علماء اور مشائخ کیا جواب دیں گے؟ کیا پوری امت لاعلمی، بے خبری اور بے وقوفی کے سمندر میں غرق تھی؟

(۴) اس مقام پر امت مسلمہ کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ وہ غور کرے کہ یہ علماء اور مشائخ فی الواقع ہیں کون اور ان کے مبلغ علم اور اصابت رائے اور فہم پر کتنا بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟

(۱۸) اس مقام پر ممکن ہے 'بعض لوگ' یہ بات عرض کریں کہ ان باتوں کی اسلام میں کوئی اہمیت نہیں اس لئے حرمین شریفین کے ذمہ داران نے جو کچھ کیا ——— وہ 'سلف' کے عین مطابق ہے۔ ایسے لوگوں سے عاجز کو کوئی شکوہ نہیں لیکن اس موقع پر انہیں وہ ایک روداد سنانا ضرور چاہتا ہے:

(۱) 1948 میں قیام اسرائیل کے بعد حکومت اسرائیل نے متعدد عظیم الشان منصوبوں پر عمل در آمد کا آغاز کیا۔ ان عظیم الشان منصوبوں میں سے ایک منصوبہ The

Jewish National Fund کے زیر نگرانی چلایا جانے والا "شجر کاری" کا منصوبہ بھی ہے۔
اس منصوبہ کا مقصد موجودہ اسرائیل کی سرزمین کو ہو بہو اس صورت میں ڈھال دینا ہے جیسا کہ وہ خطہ اس عہد میں تھا جسے توریت میں انبیاء بنی اسرائیل کا عہد کہتے ہیں۔ چنانچہ اس منصوبہ کے تحت خطۂ اسرائیل میں عہد انبیاء بنی اسرائیل میں جیسے جیسے اور جن جن نسلوں کے پیڑ پودے پائے جاتے تھے ان کی دنیا میں وہ جہاں ملیں باز یافت کرنا، انہیں دوبارہ پیدا کر کے ان کی افزائش کرنا اور پورے اسرائیل کو اسی شکل میں بدل ڈالنا جیسا کہ ان کے مطابق وہ خطہ عہد توریت میں تھا۔ حکومت اسرائیل اس تعلق سے ایک اور منصوبہ متوازی طور پر بھی چلا رہی ہے۔ اس عظیم الشان متوازی منصوبہ میں عوامی شراکت کو مہمیز کرنے کے لئے ہر سال فروری ر مارچ میں ایک ملک گیر مہم چلائی جاتی ہے۔ جس کا نام ہے "Tu B' "Shevat۔

(۲) اس تعلق سے دوسرا عظیم الشان منصوبہ جس پر حکومت اسرائیل عمل کر رہی ہے یہ ہے کہ عہد توریت میں اس خطہ میں جن جن نسلوں کے حیوانات چرند، پرند اور درند پائے جاتے تھے ان کی از سر نو باز یافت کرنا اور اس خطہ میں ان کی از سر نو افزائش کرنا۔ چنانچہ اس حوالے سے انہیں لمبی سینگوں والے سفید ہرن کی تلاش ہوئی جس کا ذکر توریت میں آیا ہے۔ تحقیق کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ لمبی سینگوں والے سفید ہرن روئے ارض پر اب کہیں پائے نہیں جاتے۔ انہوں نے تلاش جاری رکھی اور ایک ایک چپے چپے کو چھان لینے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ایسے ہرن کے صرف دو یا تین جوڑے روئے زمین پر صرف ایک جگہ پائے جاتے ہیں۔ اور وہ جگہ ہے "سعودی عرب کے فرماں روا کا ذاتی چڑیا گھر" "شاہ فیصل چڑیا گھر"۔ چنانچہ علماء یہود کے شدید اصرار پر بالآخر حکومت اسرائیل نے براہ راست سعودی فرماں روا سے اس کی درخواست کی۔ اس عاجز کی اطلاع کے مطابق سعودی عرب کے فرماں روا نے بخوشی لمبی سینگوں والے سفید ہرن خطۂ اسرائیل کو عہد توریت کے مشابہہ بنانے کے لئے انہیں بھجوا دیئے۔

(۱۹) 661 عیسوی سے کوکبی مقتدرہ کے ذریعہ لائے گئے انقلاب معکوس کے منصوبہ کے تحت اسلام، قرآن، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قول رسول اللہ، سیرت رسول اللہ اور امت مسلمہ کی اصلی تاریخ، آثار، ثبوت متجانبی تاریخ، آثار اور ثبوت کے مٹانے کی حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی مدد سے پچھلے چودہ سو سالوں سے جو جدوجہد ہو رہی تھی اس کا ڈراپ سین بیسویں صدی میں جزیرۃ العرب میں بالعموم

اور حرمین شریفین میں بالخصوص ہوگیا۔ یہ عاجز اس شعر پر یہ بحث ختم کرتا ہے:

ظلم کا زہر گھولنے والے
کامراں ہو سکے ہیں آج نہ کل
جلوہ گاہ وصال کی شمعیں
وہ بجھا بھی چکے تو کیا غم ہے
چاند کو گل کریں تو ہم جانیں

بے حسی کی جڑ

(۱) امت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کا غائر مطالعہ بتاتا ہے کہ جہاں ایک جانب حکمراں، علماء اور مشائخ کو بکی مقتدرہ کے منصوبوں کی تکمیل کرتے رہے وہیں دوسری جانب عامۃ المسلمین اور حکمرانوں علماء اور مشائخ کے مابین پائے جانے والے اچھے لوگ بے حسی، بے عملی، تعطل اور عجز کا شکار رہے۔ چودہ سو سالوں پر محیط یہ صورت حال ایک نازک سوال بن کر آ کھڑی ہوئی ہے:

''اس روایتی اور تاریخی بے حسی، بے عملی، تعطل اور عجز کی جڑ کہاں ہے؟''

(۲) امت مسلمہ میں 661 عیسوی سے پائی جانے والی روایتی اور تاریخی بے حسی متعدد اقسام کی بے حسی، بے عملی، تعطل، اور عجز کا باعث ہوئی۔ ایسے اہم تعطل اور عجز میں چند درج ذیل ہیں:

(۱) تحقیقی تعطل (Research Paralysis)

(۲) تحفیظی تعطل (Conservation Paralysis)

(۳) تعیینی تعطل (Ascertaining Paralysis)

(۴) احتسابی تعطل (Assessment Paralysis)

(۵) مراقبتی تعطل (Observation & Monitoring Paralysis)

(۶) استعدادی تعطل (Preparation Paralysis)

(۳) غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 661 عیسوی سے امت مسلمہ محمدیہ میں تحقیقی، تحفیظی، تعیینی، احتسابی، مراقبتی، اور استعدادی تعطل و عجز پیدا کرنے والی بے حسی کی جڑ وہ نظام فکر و عمل ہے

جو 661 عیسوی اور 900 عیسوی کے مابین امت میں رائج اور راسخ کیا گیا۔ یہی وہ نظام فکر و عمل ہے جس کی جڑیں مجسم صورت حال میں ان نو عوامل یعنی:

(۱) مذہبی علوم
(۲) نصاب علوم مذہبی
(۳) کتب نصاب مذہبی تعلیم
(۴) علوم مذہبی کی تعلیم گاہیں
(۵) علوم مذہبی کا طریقۂ تعلیم
(۶) علوم روحانی
(۷) نصاب واشغال روحانی
(۸) مشائخ اور
(۹) علماء ـــــــ کی شکل میں آج ہمارے سامنے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ ان نو عوامل کی روح اب اول الذکر سات عوامل میں مرتکز ہے۔

(۴) فی زمانا امت مسلمہ میں پانچ اقسام کے طریقہ ہای تعلیم رائج ہیں:

(۱) مذہبی مدرسہ نظام: یہ مذہبی ریگولر نظام ہے۔

(۲) غیر مذہبی مدرسہ نظام: یہ وہ نظام ہے جو مدرسہ عالیہ میں انیسویں صدی میں رائج کیا گیا۔ یہ نظام مشرقی سیکولر نظام کی ایک شکل ہے۔

(۳) مشرقی جامعاتی نظام: پرائمری اسکولوں سے یونیورسٹی سطح تک یہ وہ تعلیمی نظام ہے جو مسلم ملکوں میں بالعموم رائج ہے۔ یہ سیکولر نظام ہے مگر مغربی سیکولر نظام کا شنی نہیں۔

(۴) مغربی سیکولر نظام: یہ نظام صرف اسکولوں کی سطح میں یا دو ایک کالجوں کی شکل میں عالم اسلامی میں پایا جاتا ہے جسے ہم کامل مغربی نصاب پر مبنی سیکولر نظام کہہ سکتے ہیں۔ یہی انگلش یا فرنچ میڈیم اسکول کہے جاتے ہیں۔

(۵) مغربی ریگولر نظام: یہ نظام بھی صرف اسکولوں کی سطح یا دو ایک کالجوں کی شکل میں عالم اسلام میں پایا جاتا ہے جسے ہم کامل مغربی نصاب پر مبنی ریگولر نظام کہہ سکتے ہیں۔ یہ انگلش یا فرنچ میڈیم کانونٹ اسکول کہے جاتے ہیں۔

اگران پانچوں نظام ہای تعلیم کو یکجا(Club) کر دیا جائے تو یہ کل ملا کر دو طریقہ ہای نظام کی صورت میں باقی رہ جاتے ہیں:

(۱) مشرقی مذہبی نظام تعلیم: یہ گویا اول اور دوم پر مشتمل نظام ہوگا۔

(۲) مغربی نظام تعلیم: یہ باقی سوم، چہارم اور پنجم پر مشتمل نظام ہوگا۔

(۵) امت مسلمہ میں موجود یہ دونوں نظام ہای تعلیم صرف 'بزاخفش' اور فاتر العقل (Mediocre & Nincompoop) پیدا کر رہے ہیں۔

(ملاحظہ فرمائیں: معرکۂ دجال اکبر: جلد۔اوّل)

(۶) ہر چند کہ ان کی شکل و صورت میں بین فرق ہے لیکن دقت نظر سے دیکھنے پر یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ دونوں نظام ہای تعلیم یعنی:

(۱) 661 عیسوی سے امت مسلمہ محمدیہ میں رائج کردہ اور اب تک جزوی تبدیلیوں کیساتھ چلا آرہا نظام ـــــ اور

(۲) نشأۃ ثانیہ (Rennaissance) میں یوروپ میں رائج کردہ اور پچھلے دوسو سالوں کے دوران امت مسلمہ میں درآمد کردہ نظام تعلیم ـــــ دونوں ہی فی الواقع یہودی نظام ہای تعلیم ہیں۔

(۷) امت مسلمہ میں جہاں تک گزشتہ دوسو سالوں میں درآمد کردہ مغربی نظام تعلیم کا سوال ہے تو یہ نظام خواہ کتنے ہی وسیع و عریض خطے میں پھیلا کیوں نہ معلوم ہو محض سطحی ہے۔اس کی جڑیں معاشرہ کی طبیعت(Psyche) میں پیوست نہیں۔امت مسلمہ کے رگ و پے میں جس نظام تعلیم کی جڑیں پیوست ہیں وہ 661 عیسوی کے بعد رائج ہونے والا وہ نظام تعلیم ہے جسے مدرسہ نظام تعلیم یا مذہبی تعلیم کہا جاتا ہے۔ یہ نظام مکمل طور پر یہودی اور غیر اسلامی نظام تعلیم ہے۔ چنانچہ گزشتہ چودہ سو سالوں کے دوران امت مسلمہ میں پائے جانے والے ہمہ گیر تعطل (All-Pervading Paralysis) کی جڑ یہی ہے۔

(۸) 661 عیسوی سے امت مسلمہ میں رائج یہ مذہبی نظام تعلیم اپنی روح اور مواد کے اعتبار سے درج ذیل صفات کا حامل ہے:

(۱) خدامخالف (Anti-Allah)

(۲) رسول مخالف (Anti-Messenger)

(۳) اسلام مخالف (Anti-Islam)

(۴) قرآن مخالف (Anti-Quran)

(۵) رسالت مخالف (Anti-Risalah)

(۶) سنت مخالف (Anti-Sunnah)

(۷) قول رسول مخالف (Anti-Tradition)

(۸) امت وسط مخالف (Anti-Ummat-e-Wasat)

(۹) فریضۂ امت وسط مخالف (Anti-Task)

(۱) آیت محکمہ مخالف

(۲) سنت قائمہ مخالف

(۳) فریضۂ عادلہ مخالف

(۹) اگر نہایت باریک بینی سے 661 اور 2006 عیسوی کے مابین اس نظام تعلیم اور اس کی کارکردگی کا تجزیہ کیا جائے تو درج ذیل نتائج اور کوائف سامنے آتے ہیں (اس تجزیہ میں یہ بات لازماً پیش نظر رہنی چاہئے کہ مشرقی اور مغربی نظام تعلیم کی نام نہاد کشمکش اور امت مسلمہ پر مغربی اقوام کے تغلب کی کشمکش تو صرف ڈھائی سو سالوں کی تاریخ ہے۔ 661 لغایت ۱۷.. عالم اسلامی میں بلا شرکت غیرے اور بلا مقابلہ صرف اسی نظام تعلیم کی عملداری تھی جسے آج ہم مدرسہ نظام تعلیم کے نام سے جانتے ہیں):

(۱۰) مدرسہ نظام تعلیم اسلام ـــــ دین اللہ کو منہدم کرنے والا اور اس کی جگہ اسلام ـــــ مذہب کو قائم کرنے اور برقرار رکھنے والا ہے۔

(۱۱) مدرسہ نظام تعلیم اپنی روح، اپنے جسم اور اپنی کارکردگی کے نتائج کے اعتبار سے اللہ، رسول اللہ، اور دین اللہ سے لوگوں کو دور کرنے والا ہے۔

(۱۲) مدرسہ نظام تعلیم بنیادی طور پر رسالت مخالف ہے۔ وہاں دی جانے والی تعلیم نظریہ رسالت کو تحلیل یا بالکل فنا کر دیتی ہے۔

(۱۳) مدرسہ نظام تعلیم بنیادی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخالف ہے۔ چنانچہ وہاں دی جانے والی تعلیم اللہ اور رسول کے اتباع اور اطاعت سے بلا واسطہ یا بالواسطہ، ذہناً یا عملاً روکتی اور اس کی

جگہ متبادل قیادت اور مرجع فراہم کرتی ہے۔

(۱۴) مدرسہ نظام تعلیم بنیادی طور پر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھا دینے والا ہے۔ چنانچہ وہاں کی تعلیم سنت رسول اللہ کی جگہ متبادل سنت پر معاشرے کو استوار کرنے والی ہے۔

(۱۵) مدرسہ نظام تعلیم تفرقی (Disintegrative) ہے۔ تفرقی سے مراد مسلسل طبیعاتی اور کیمیاوی طور پر ردعمل کرنے والا (Reactive) اور نتیجتاً تفرقی (Disintegrative) ہونا ہے۔

(۱۶) مدرسہ نظام تعلیم اپنے اجزاء ترکیبی کے اعتبار سے اتحاد کو پارہ پارہ کردینے والا ہے۔ اتحاد کو پارہ پارہ کرنے سے مراد از روئے حقیقت پہلے سے چلی آرہی متحد یا ایک چیز کو حسب حال متحد یا ایک رہنے نہ دینا ہے۔ جہاں تک از روئے حقیقت متفرق اور منتشر چیزوں کو متحد اور طبیعی اور کیمیاوی اعتبار سے ایک کردینے کی بات ہے تو اس نظام تعلیم میں یہ بات سرے سے پائی ہی نہیں جاتی۔ دین، نبوت اور نبوی تعلیم وارشادات معاشرے میں پائے جانے والے متفرق اور منتشر اور بعض اوقات بالکل متصادم اور متحارب طبقات کو یکجان کردینے کی صلاحیت رکھتے ہیں (آل عمران ۱۰۳)۔ مدرسہ نظام تعلیم اس سے قطعاً عاری ہے۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہوسکتی ہے ——— مدرسہ نظام تعلیم کا اساسی طور پر خلاف دینی، خلاف نبوی اور خلاف تعلیم نبوی ہونا۔

(۱۷) مدرسہ نظام تعلیم اساسی طور پر Insulative, Isolationist, Seperative, Dissenting, Sectarian حتیٰ کہ Schismatic ہے۔ چنانچہ پوری تاریخ میں مدرسہ نظام تعلیم دو کو ایک کرنے کے بجائے ایک کو دو پھر دو کو چار، چار کو سولہ اور سولہ کو چونسٹھ کرنے کی طبیعت رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ تختی، غصہ اور تناؤ کی حالت میں اس نظام تعلیم کے پروردہ ایک ہی استاد کے دو شاگرد اور ایک ہی دادا کے دو پوتے ایک دوسرے کی تکفیر کی حد تک چلے جایا کرتے ہیں۔ پہلے سے علاقائی، لسانی، خاندانی یا دیگر اسباب سے پیدا دوری یا اجنبیت کے ماحول میں پیدا دو طبقوں کے مابین تختی اور تناؤ کے ردعمل کا تو پوچھنا ہی کیا؟

(۱۸) مدرسہ نظام تعلیم اساسی طور پر اور اپنے آپ میں Undigestive ہے۔ یعنی مذہب کے نام پر وہاں جو کچھ پڑھایا جارہا ہے اسے وہاں کا طریقۂ تعلیم خود ہضم نہیں کرتا۔ چنانچہ تاریخ امت شاہد ہے کہ اس نظام تعلیم وتعلم اور اس سے قریبی طور پر متعلق افراد ہمیشہ بدہضمی (Dsypepsia) کی حالت [illegible]

(۱۹) مدرسہ نظام تعلیم اساسی طور پر Unadoptive ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ یہاں رائج نصاب تعلیم، نصابی کتابیں، معلمین اور متعلمین، ان کی روایات اور ان کا تعامل خود اپنے علمی، فکری اور عملی مساعی اور ان کے حصول اور زاد کو اخذ کرنے (Adopt)، انہیں باضابطہ نصابی کتابوں کا متن بنا کر ریگولرائز کرنے اور ثانوی (Secondary) اور ثالثی (Tertiary) غور وفکر کے لئے امت کو انہیں فراہم کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ چنانچہ چودہ سو سالوں سے چلی آرہی اس صورت حال نے سب سے زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ یہ نقصانات کثیر الجہات اور ہمہ گیر ہیں جنہوں نے پوری امت کو متاثر کیا ہے۔ لہٰذا اس کی کچھ تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

(۱) گزشتہ بارہ سو سالوں سے یعنی جب سے اس نظام تعلیم میں پختگی آگئی ہے اور اس کے خدوخال راسخ ہو گئے ہیں اس نظام تعلیم نے اپنے وابستہ افراد کی صلاحیتوں اور ان کے مساعی کا سب سے زیادہ خون کیا ہے۔ ایسا قطعاً نہیں کہ اس نظام میں باصلاحیت، مخلص اور عبقری افراد پائے نہیں جاتے۔ کسی بھی نظام کی طرح یہ نظام بھی باصلاحیت، مخلص اور عبقری افراد کا گہوارہ رہا ہے اور ایسے باصلاحیت افراد یہاں بھی اپنی جودت کو بروئے کار لاتے ہیں لیکن امت مسلمہ کا یہ ایک ہولناک المیہ ہے کہ پچھلے بارہ سو سالوں سے ایسے باصلاحیت افراد کی علمی اور تجرباتی کاوشوں کا ننانوے اعشاریہ ننانوے فیصد (99.99) حصہ ضائع ہو جاتا رہا ہے۔ تقریب فہم کے لئے دو مثالیں دی جاتی ہیں:

(۱) مثال اول: اس نظام تعلیم کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس کے معدے کے متصل ٹھیک اس جگہ جہاں سے پتہ (Gall-Bladder)، طحال (Pancreas) اور جگر (Liver) کی نلیاں آنت سے ملتی ہیں ایسی Grafting کر دی جائے کہ اس شخص کا سارا کھایا پیا اور معدے میں ہضم کیا ہوا مادہ اس نلی کے ذریعہ جسم سے باہر نالی میں گر جائے۔ اس نظام تعلیم کی یہی صورت حال ہے۔

(۲) مثال دوم: اس نظام تعلیم کی مثال ایک ایسی کتاب کی ہے جس کو اس کتاب کا مصنف نئے ایڈیشن کی اشاعت کے لئے ضروری ترمیم، حشو اور اضافہ اور تصحیح سے مزین کرتا ہے لیکن طابع اس مرمہ نسخہ کو الگ رکھ دیتا ہے اور ہر سال پرانی فلم سے نیا ایڈیشن چھاپ دیتا ہے۔ اس نظام تعلیم سے وابستہ افراد اور ماحول کے تعامل سے حاصل ہونے

والی ان کی معلومات اوران کے تجربات پچھلے چودہ سوسالوں سے اسی طرح ضائع ہورہے ہیں۔

(۲۰) مدرسہ نظام تعلیم بنیادی طور پر غیر احتسابی (Unassessive) ہے۔لیکن اس مقام کی پیچیدگی نہایت نازک ہے:

(۱) مدرسہ نظام تعلیم خارجی دباؤ (External Pressure) کے بغیر کبھی احتساب کرنے کی بات نہیں سوچتا۔

(۲) دوسری جانب مدرسہ نظام تعلیم پر اگر خارجی دباؤ پڑے تو اس کی رگ حمیت پھڑک جاتی ہے اور اس دباؤ کے تحت وہ کبھی احتساب نہیں کرتا۔ چنانچہ وہ کبھی احتساب نہیں کرپاتا۔

(۲۱) مدرسہ نظام تعلیم بنیادی طور پر غیر تصحیحی (Incorrective) یانا قابل تصحیح (Incorrigible) ہے۔

(۲۲) مدرسہ نظام تعلیم بنیادی اور اندرونی طور پر نا قابل انضباط (Unregulative) ہے۔

(۲۳) مدرسہ نظام تعلیم تعیین مخالف (Unascertaintive) یا اضطرابی یا اضطراب پسند (Confusion-phil) ہے۔ چنانچہ اس نظام تعلیم میں تطبیق کا ایک وسیع ترین نظام پچھلے چودہ سو سالوں سے رائج ہے جس نے پچھلے چودہ سوسالوں سے امت کو کبھی اور کسی بات کی تہہ تک جانے، تحقیق کرنے، حقیقت حال جاننے، کھرا اور کھوٹا کو الگ الگ کرنے اور اس کی کنہ تک پہنچنے سے روکے رکھا ہے اور پوری ملت اسلامیہ کو عدم تعیین اور اضطراب کے سمندر میں غرق کررکھا ہے۔ اگر خود اسی نظام تعلیم کا پروردہ کوئی صاحب علم وجودت اپنے علم اور معلومات کی بنیاد پر کسی امر کو تعیین تک پہنچانے پر اصرار کرے اور زور ڈالے تو اس کی کاوش کو قبول کرنے یا مزید تحقیق کے لئے اسے اساس یا کم از کم مثال بنانے کے بجائے یہ نظام اس کے عزل کا فیصلہ صادر کردیتا ہے اور اس طرح دو یا دو سے زیادہ فرقے پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہودیوں نے اس نظام تعلیم میں تطبیق کو تحقیق کا بدل بنا کر پیش کیا ہے۔ تقریب فہم کے لئے اس کی ایک مثال دی جاتی ہے:

دور ایک چھت پر کوئی شئے نظر آرہی ہے۔ تین دیکھنے والوں میں سے پہلے کو وہ گائے سے مشابہ کوئی چیز لگ رہی ہے۔ دوسرے کو کپڑے کا ڈھیر اور تیسرے کو چارپائی۔ ہونا یہ چاہیئے کہ جا کر تحقیق کرلی جائے یا یہیں سے کسی اور صورت سے تحقیق کرلی جائے۔ لیکن مدرسہ نظام تعلیم میں اس کے بجائے تطبیق کا طریقہ اختیار [illegible] تطبیق ہوگی

دور چھت پر نظر آنے والی شئے چارپائی کی شکل کی کوئی گائے ہے جس کا جسم دیکھنے میں کپڑے کا ڈھیر معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ اس نظام تعلیم میں تطبیق کے اس دیو نے اس پوری امت کو نگلنے کے بعد قرآن تک کو نگل لیا ہے۔ ذیل میں قرآن کی ایک آیت کی تطبیق ملاحظہ فرمائیں جو عصر حاضر کے ایک عظیم مفسر قرآن نے فرمائی ہے:

سورۃ القصص آیت ۸۵ میں لراد ک إلی معادٍ کی تطبیق فرماتے ہوئے مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

"ف .... اب بتلاتے ہیں کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی کی ہوتی ہے۔ دیکھو آج کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر تم کو مکہ چھوڑنا پڑا ہے مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائیگا۔ حضرت شاہ صاحب ؒ لکھتے ہیں۔ "یہ آیت اتری ہجرت کے وقت، یہ تسلی فرمادی کہ پھر مکہ میں آؤگے سو خوب طرح آئے پورے غالب ہوکر"۔ بعض مفسرین نے 'معاذ' سے مراد موت لی ہے۔ بعض نے آخرت، بعض نے جنت، بعض نے سرزمین شام جہاں پہلے ایک مرتبہ آپ شب معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ان اقوال میں بہت عمیق اور لطیف تطبیق دی۔ یعنی 'معاذ' سے مراد اس جگہ مکہ معظمہ ہے (کما فی البخاری) مگر فتح مکہ علامت تھی قرب اجل کی جیسا کہ ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہما نے "إذا جاء نصر الله والفتح" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ آگے اجل کے بعد 'حشر' حشر کے بعد 'آخرۃ' اور آخرت کی انتہائی منزل جنت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اول آپ کو نہایت شاندار طریقہ سے لوٹا کر لائیگا مکہ میں، اس کے چند روز بعد اجل واقع ہوگی۔ پھر ارض شام کی طرف حشر ہوگا۔ (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پھر آخرت میں بڑی شان وشکوہ سے تشریف لائیں گے اور اخیر میں جنت کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہمیشہ کے لئے پہنچ جائیں گے۔"

اس تطبیق کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ امت مسلمہ تحقیق کرنے اور تعیین تک پہنچنے کی بنیادی صلاحیت تک سے محروم ہوگئی۔

(۲۴) مدرسہ نظام تعلیم میں پائی جانے والی سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ یہ نظام غیر

امتی (Unummatic) ہی نہیں بلکہ امت مخالف (Anti-Ummatic) ہے۔ امت کا کوئی فرد اس نظام تعلیم میں امت مسلمہ کے ایک فرد کی طرح رہتے ہوئے کبھی تعلیم حاصل نہیں کرسکتا۔ اسے کسی نہ کسی مذہب، مسلک، مشرب اور حزب کا حصہ ہونا ہوگا یا اسے بادل ناخواستہ برداشت کرنا ہوگا۔ امت مسلمہ کے خلاف کوبی مقتدرہ کی پیدا کردہ یہ کتنی بڑی اور خطرناک سازش ہے کہ یہ نظام تعلیم امت مسلمہ محمد یہ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ چودہ سو سالوں سے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ امت کس طرح زندہ ہے اس کا حقیقی علم تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ کوبی مقتدرہ کا نافذ کردہ مدرسہ نظام تعلیم اس مسجد سے مشابہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

"والذین اتخذوا مسجداً ضراراً و کفراً و تفریقاً بین المومنین وارصاداً لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل (ولیحلفن ان اردنا إلا الحسنیٰ واللہ یشھد إنھم لکذبون) (التوبہ ۱۰۷)

(۲۵) یہی سبب ہے کہ ان چودہ سو سالوں میں امت مسلمہ میں نافذ نظام اپنے آپ میں ——

(۱) تحقیق مخالف یا تحقیق خائف
(۲) تحفیظ مخالف یا تحفیظ خائف
(۳) تعیین مخالف یا تعیین خائف
(۴) احتساب مخالف یا احتساب خائف
(۵) مراقبت مخالف یا مراقبت خائف
(۶) استعداد مخالف یا استعداد خائف

ثابت ہوا۔

چنانچہ نو عوامل پر مشتمل یہ نظام امت مسلمہ کو اصلاح کی ہر قوت سے محروم کر چکا ہے۔

عصر حاضر کا بحران

(۱) عصر حاضر (1938-2006) میں امت مسلمہ کا بحران شدید ترین صورت اختیار کر چکا ہے۔ یہ بحران تفکیر، تدبیر اور تعمیل ہر تین سطح پر یکساں طور پر شدید ہے۔ تفکیر اور تدبیر کی سطح پر کلی ناکامی نے تعمیل کی سطح پر خطرناک ترین صورتحال پیدا کر دی ہے۔

(۲) ناکامی کا یہی احساس بعض طبقات کے یہاں کم فہمی، کج فہمی، بے صبری اور بے اعتدالی سے مل کر اس شکل میں ظاہر ہوا ہے جسے 'دہشت گردی' کا نام دیا جا رہا ہے۔

(۳) 'بے تمیز تشدد' کی یہ شکلیں سراسر کم فہمی، کج فہمی، سطحیت اور اسلام اور امت مسلمہ کو درپیش حقیقی بحران سے لاعلمی پر مبنی ہیں۔ اسلام کا 'دہشت گردی' سے کیا تعلق؟ باطل اور ظالم کا کوئی عمل حق کو حدود اللہ کی پابندی سے آزاد نہیں کرتا۔ حدود اللہ کی پابندی اگر اہل حق پر لازم نہیں تو وہ کس پر لازم ہے؟ کیا ظالم کو حدود اللہ کی پابندی کرنی چاہیے؟

(۴) 561 عیسوی سے چلے آرہے اس بحران کا سب سے ہولناک پہلو یہ ہے کہ امت کو بحیثیت مجموعی اس کا حقیقی ادراک نہیں اور اس کے اہل حل وعقد ــــــ حکمراں، علماء اور مشائخ انہیں حقیقی ادراک تک پہنچنے نہیں دیتے۔ اس بحران سے نکلنے کا پہلا زینہ اس کا درست ادراک ہے۔

(۵) امت مسلمہ کے وجود کے دو پہلو ہیں:

(۱) مطلق (Absolute)

(۲) اضافی (Relative)

(۶) ان دونوں پہلوؤں کے تناظر میں امت مسلمہ کو دو اقسام کے مسئلے درپیش ہیں:

(۱) مطلق مسائل (Absolute Problems)

(۲) اضافی مسائل (Relative Problems)

(۷) ان دونوں پہلوؤں سے متعلق مسائل نے امت مسلمہ کو دوطرح کے بحران سے دوچار کردیا ہے:

(۱) مطلق بحران (Absolute Crisis)

(۲) اضافی بحران (Relative Crisis)

(۸) 683 عیسوی سے عصر حاضر (2006) تک امت کی تاریخ اگر دو حصوں میں تقسیم کردی جائے یعنی:

(۱) عہد ماضی :683 سے 1938

(۲) عہد حاضر :1938 سے 2006

تو ان دونوں ادوار میں 'مطلق بحران' اور 'اضافی بحران' کے حوالے سے امت مسلمہ میں باخبری اور حساسیت کی پائی جانے والی افسوس ناک صورت حال کا اندازہ ہوتا ہے۔

(۹) عہد ماضی (683- 1938) کے دوران 'مطلق بحران' کے حوالے سے امت مسلمہ میں باخبری اور حساسیت بے حد قلیل رہی ہے۔ اس عاجز کے علم کی حد تک اس مدت میں ایسی صرف دو ہستیاں پائی جاتی ہیں جن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ انہیں امت کے 'مطلق بحران' کی باخبری تھی اور اس حوالے سے ان میں حساسیت پائی جاتی تھی۔ یہ دو ہستیاں ہیں:

(۱) جعفر الصادق (699-765)

(۲) محمد اقبال (1877-1938)

(۱۰) عہد حاضر (1938- 2006) کے دوران 'مطلق بحران' کے حوالے سے باخبری اور حساسیت اس عاجز کے علم کی حد تک 99.99 فیصد مفقود ہیں۔

(۱۱) عہد ماضی (683-1938) کے دوران 'اضافی بحران' کے حوالے سے امت مسلمہ میں اس عاجز کے علم کی حد تک پائی جانے والے باخبری اور حساسیت نہایت سطحی درجہ کی ہیں۔ ایسی باخبری اور حساسیت کو زیادہ سے زیادہ ظواہر پر مبنی باخبری اور حساسیت قرار دی جاسکتی ہیں

(۱۲) عہد حاضر (1938-2006) میں 'اضافی بحران' کے حوالے سے امت مسلمہ میں پائی جانے والی باخبری اور حساسیت اس عاجز کے علم کی حد تک بے انتہا سطحی، سیمابی، تعصبی اور خود فراموشی پر مبنی ہیں

http://www.asraralam.net/

جونقصان دہ ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خطرناک بلکہ مہلک ہوتی جارہی ہیں۔

(۱۳) عہد حاضر میں امت مسلمہ کے بحران کے حوالے سے امت میں جو ادراک پایا جاتا ہے یا جس کے پائے جانے کی بات کی جاتی ہے وہ درج ذیل ہے:

(۱) مغربی تسلط کا کرب اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے قوت نافذہ کے جاتے رہنے کا احساس،

(۲) مغربی اور دیگر اقوام کی زیادتیوں اور ان کے غصب کے تناظر میں احساس محرومی،

(۳) مسلمانوں کی تمناؤں اور خواہشات کی تکمیل میں واقع ہونے یا عارض کی جانے والی مزاحمت کے تناظر میں احساس بے بسی،

(۴) غالب عالمی نظام کے خلاف غصہ اور انتقام کے اظہار کا رجحان۔

(۱۴) مذکورہ تمام باتوں کے حقیقی اور درست ہونے کے باوجود اس عاجز کے نزدیک امت مسلمہ کو فی الواقع اسے درپیش حقیقی 'بحران' کا درست ادراک نہیں ہے۔ مذکورہ چار عناصر پر مشتمل رجحان کے اندر دو بنیادی نقص ہیں۔

(۱) امت مسلمہ کی اس کو درپیش 'مطلق اور اضافی بحران' کی حقیقت سے بے خبری،

(۲) 'بحران' کے حل کے تعلق سے اس کا واہمہ یا تصور (Fantacy) کا بدترین طور پر شکار ہونا۔

(۱۵) جیسا کہ اس عاجز نے عرض کیا کہ امت مسلمہ میں درپیش بحران کا درست ادراک مفقود ہے۔ چنانچہ مرض کی تشخیص کی ناموجودگی یا غلط تشخیص کی صورت میں امت مسلمہ کا اپنے تصوراتی حل (Fantacy-fed Solution) کی طرف پیش قدمی کرنا اس کا 'امت وسط' ہونے کے حوالے سے محض قومی اور ملی خودکشی نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی خودکشی کے مترادف قرار پائے گا۔

(۱۶) مغربی اقوام کے تسلط کا خاتمہ، ان کی زیادتیوں اور ان کے غصب سے نجات، مسلمانوں کی تمناؤں اور خواہشات کی تکمیل میں واقع مزاحم قوتوں کا خاتمہ، ان میں قوت نافذہ کی بحالی اور ان کے ہاتھوں میں قوت قاہرہ کا واپس آجانا ـــــ ہر چند کہ صرف ایک تصوراتی واہمہ یا تخیل ہے ـــــ لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو یہ امت کو درپیش بحران کا حل نہیں بن سکتا بلکہ عین ممکن ہے کہ موجودہ صورت حال میں امت کو خود موجودہ ظالموں سے زیادہ بڑا ظالم بنا ڈالے۔ اس کے درج ذیل اسباب ہیں:

661 عیسوی سے 1800 عیسوی تک یہ ساری مطلوب چیزیں مسلمانوں کو اور ان کے حکمرانوں، علماء اور مشائخ کو حاصل تھیں۔ دنیا میں ان کا عالمی نظام (World Order) نافذ تھا۔ قوت نافذہ ان کو حاصل تھی۔ ان کی قوت قاہرہ کے سامنے دنیا کی کس قوم کو مزاحم ہونے یا مسلمانوں پر زیادتی کرنے کا یارا تھا ـــــ لیکن ان سب کے باوجود کیا ہوا؟ پوری روئے ارض پر بنی نوع انسان کے حوالے سے اس کی کارکردگی کا کیا ذکر ـــ اسلام ـــ دین اللہ، قرآن، سنت رسول اللہ، قول رسول اللہ، سیرت طیبہ اور اسلام اور امت کی تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کی کارکردگی ان کے سامنے ہے۔ بلاشبہ یہ کارکردگی بنیادی طور پر امت مسلمہ کے ذمہ داران ـــــ حکمرانوں، علماء اور مشائخ کی کارکردگی تھی۔

(۱۷) اس مقام پر امت مسلمہ اور بالخصوص عامۃ المسلمین کو ٹھہر کر سوچنا چاہئے کہ ان کا اصلی بحران ہے کیا؟

معرکۂ دجّال کے تقاضے

(۱) معرکۂ دجال اکبر امت مسلمہ محمدیہ کے سامنے سب سے بڑے چیلنج کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔ اس چیلنج کا تقاضا ہے:

—(۱) قرآن

—(۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

—(۳) قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گہرائیوں میں جا کر اور—

— آیت محکمہ اور سنت قائمہ — کا فہم حاصل کر کے —

— فریضۂ عادلہ — کی تفکیر، تدبیر اور تعمیل کرنے کا۔

(۲) معرکۂ دجال اکبر کے تناظر میں بحیثیت امت وسط فریضۂ عادلہ کی ادائیگی اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ — امت مسلمہ —

(۱) قرآن

(۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح فہم حاصل کرے اور ان کی روشنی میں فریضۂ عادلہ کی اس طرح ادائیگی کرے جیسا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا تھا۔

(۳) فریضۂ عادلہ کی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی ادائیگی امت مسلمہ کے موجودہ اور آئندہ افراد سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ قرآن، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے درج ذیل مطالبات پورے کریں:

(١) تحقیق (Research)

(٢) تفتیش (Investigation).

(٣) حقائق کی تعیین کے لئے مواد اور ماخذ کا مطالعہ (Study of Materials & Sources in order to establish facts)

(۴) حقائق کی تازہ ترین تعیین کے لئے مواد اور ماخذ کا مطالعہ (Study of Materials & Sources in order to draw fresh conclusions)

(۵) حقائق اور اصلیت کی دریافت (Discovery of facts & realities)

(٦) جانچ (Verification)

(٧) تائید (Confirmation)

(٨) تنسیق (Correllation)

(٩) تصحیح (Correction)

(١٠) تائید مزید (Corroboration)

(١١) تثبیت (Subtantiation)

(١٢) ترتیب (Tabulation)

(١٣) حساب (Calculation)

(١۴) احتساب (Assessment)

(١۵) دوبارا جانچ (Re-Verification)

(١٦) تعیین (Determination)

(١٧) تدریج (Categoriasation)

(١٨) مراقبت و معائنہ (Monitoring & Reconnaisance)

(١٩) مشاہدہ (Observation)

(۲۰) اطلاع اخیر (Feedback)

(۲۱) احتساب اخیر (Reassessment)

(۲۲) تقدیر اخیر (Reevaluation)

(۲۳) اخذ (Adoptation)

(۲۴) درستگی اخیر (Readjustment)

(۲۵) قیاسی / مشقی تجربہ (تعمیر) (Hypothetical/Tentative Experimentation {Construction})

(۲۶) قیاسی / مشقی تجربہ (تعمیر معکوس) (Hypothetical/Tentative Experimentation {Deconstruction})

(۴) امت مسلمہ محمدیہ کے لئے یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے جس کے درج ذیل اسباب و وجوہ ہیں:

(۱) معرکۂ دجال اکبر مطلق (Absolute) اور اضافی (Relative) بحرانوں کا مجموعہ ہونے کے ساتھ ساتھ دینی، کائناتی اور تکوینی بحران بھی ہے۔

(۲) چنانچہ امت مسلمہ محمدیہ کو اس بحران سے علماء اور مشائخ نکال نہیں سکتے۔

(۳) تاریخ انسانی میں مذہب، مسلک اور مشرب معاشرے کو دینی بحران سے نکال پائے ہوں اس کی تاریخ پائی نہیں جاتی۔ قرآن نے اس بات کا پوری صراحت سے اظہار کیا ہے۔

(ملاحظہ فرمائیں: البقرہ ۲۴۶، الاعراف ۶۰، الاعراف ۶۶، الاعراف ۷۵، الاعراف ۸۸، الاعراف ۹۰، الاعراف ۱۰۹، الاعراف ۱۲۷، ھود ۲۷، ھود ۳۸، یوسف ۴۳، المومنون ۲۴، المومنون ۳۳، الشعراء ۳۴،)

(۴) روئے ارض پر دینی بحران سے عالم بشریت کو نکالنے کے لئے جتنی قوت، حرارت، صلاحیت اور عزم مطلوب ہے اتنی قوت، حرارت، صلاحیت اور عزم پیدا کرنا، جمع کرنا اور انہیں بروئے کار لانا مذہب، مسلک اور مشرب کے بس سے باہر کی بات ہے۔

(۵) مذہب، مسلک اور مشرب کے حاملین اگر اپنے مساعی میں مخلص بھی ہوں اور وہ سعی بلیغ بھی کریں جب بھی مذکورہ مطلوبہ قوت، حرارت، صلاحیت اور عزم پیدا کرنا، جمع کرنا اور انہیں بروئے کار لانا ان کی طاقت سے باہر کی بات ہے۔

(۶) مذہب، مسلک اور مشرب کی اس حوالے سے ناکامی کی بنیادی وجہ ہے ان کی ساختیات میں موجود نقص۔ مذہب، مسلک اور مشرب کی اساس تفرد اور تحفظ پر قائم ہوتی ہے۔ تفرد اور تحفظ کے سبب ہی مذہب، مسلک اور مشرب وجود میں آتے ہیں۔ چنانچہ تفرد اور تحفظ ان کی بنیادی روح ہوتی ہے جو ان سے تفرق اور تشخص کا ہمہ دم تقاضا کرتی رہتی ہے۔

(۷) دینی بحران کی ضرورت آگ میں تپے ہوئے اور ہر طرح کی آلائش اور میل کچیل سے پاک کندن سے بنے انسانوں پر مشتمل افراد کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہے جو توحید پر مبنی توحد کا تقاضا کرتی ہے۔

(۸) تفرد اور تحفظ پر مبنی توحد مذہب، مسلک اور مشرب کا خاصہ ہے جو عین ضد ہے توحید پر مبنی توحد کی۔

(۹) تفردی اور تحفظی توحد اور توحیدی توحد ایک دوسرے کی ضد اور دشمن ہوتے ہیں۔

(۱۰) تاریخ انسانی میں توحیدی توحد اور تفردی و تحفظی توحد ہمیشہ آمنے سامنے صف آراء رہے ہیں۔

(۱۱) تاریخ میں ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ تفردی اور تحفظی توحد کے سبب توحیدی توحد کو سنگین بحران کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ توحیدی توحد کے اندر زیر زمین موجود تفردی اور تحفظی توحد نے اکثر توحیدی توحد کو مطلوبہ قوت پیدا کرنے، جمع کرنے اور انہیں بروئے کار لانے میں کامیاب ہونے نہیں دیا۔

(۱۲) معرکۂ خیر و شر کا درپیش مرحلہ یعنی معرکۂ دجال اکبر دینی بحران کا سخت ترین مرحلہ ہے جہاں دینی بحران کائناتی اور تکوینی درجے تک وسیع و عمیق ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس بحران سے عالم بشریت کو باہر نکالنے میں مذہب، مسلک اور مشرب کوئی مثبت کردار ادا کریں ممکن نہیں۔

(۱۳) مذہب، مسلک اور مشرب کی ساختیات میں تفرد اور تحفظ بمنزلۂ عناصر ہیں اس لئے وہ اتحاد کو Cosmetic- Change سے زیادہ آگے نہیں لے جا سکتے۔ زیادہ سے زیادہ اور صرف لمحاتی مدت کے لئے Window-Dressing کر سکتے ہیں۔ چنانچہ معرکۂ دجال اکبر کی تیز اور فولاد کو پگھلا دینے والی آنچ برداشت کرنا مذہب، مسلک اور مشرب کے بس سے باہر کی بات ہے۔ اگر تقریب فہم کے لئے ایک مثال دی جائے تو وہ یوں ہوگی:

اوّل درجہ کے دینی بحران سے نکلنے کے لئے اگر ۱۰۰ سیلسیس (100° Celsius) درجہ حرارت کی ضرورت ہوتی ہے اور معرکۂ دجّال کے بحران سے نکلنے کے لئے ۱۰۰۰ سیلسیس (1000° Celsius) درجہ حرارت کی تو مذہب، مسلک اور مشرب اگر اپنی ساری قوت مجتمع کر لیں جب بھی وہ 20° سیلسیس (20° Celsius) سے زیادہ درجۂ حرارت پیدا نہیں کر سکتے۔

(۱۴) تاریخ انسانی میں مذہب، مسلک اور مشرب کا حال دو خاص کیفیات سے عبارت ہے:

(۱) تاریخ انسانی کے مطابق معاشرے میں مذہب، مسلک اور مشرب کبھی بھی غیر متحرک واقع نہیں ہوئے۔

(۲) تاریخ انسانی میں جب بھی دینی بحران پیدا ہوا ہے تو مذہب، مسلک اور مشرب نے بالآخر دین اللہ کے خلاف صف آرائی کی ہے بلکہ دین اللہ کے خلاف صف آرا قوتوں کے وہ سب سے بڑے اور سب سے زیادہ خوفناک عنصر قرار پائے ہیں۔

(۱۵) تاریخ انسانی میں یہ صورت حال درج ذیل مواقع پر سنگین ترین صورت اختیار کر چکی ہے:

(۱) حضرت نوح کی بعثت کے وقت،

(۲) حضرت ابراہیم کی بعثت کے وقت،

(۳) حضرت عیسیٰ کی بعثت کے وقت ـــــ اور

(۴) نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت۔

معرکۂ دجال کے مخمصے

(۱) معرکہ دجال اکبر کے تین عظیم الشان اور خطرناک مخمصوں میں سب سے اہم 'مخمصہ مہدی' ہے۔

(۲) امت مسلمہ محمدیہ کی چودہ سو سالہ تاریخ اور اس کی موجودہ ذہنی، فکری، علمی، عملی، معاشرتی اور انتظامی صورتحال کا دقت نظر سے لیا گیا جائزہ اس عاجز کو اس نتیجہ تک لے جاتا ہے کہ امت کی 'کلی معطلی کی جڑ' یعنی مذکورہ نو عوامل کے حسب حال موجود اور مؤثر رہتے ہوئے یہ امت:

(۱) اولاً: نہ قرآن، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قول رسول اللہ صلی اللہ کو کما حقہ سمجھ سکتی ہے،

(۲) ثانیاً: نہ آیت محکمہ اور سنت قائمہ کا کما حقہ فہم اور ان میں رسوخ حاصل کر سکتی ہے، اور

(۳) ثالثاً: نہ فریضہ عادلہ کی کما حقہ تفکیر، تدبیر اور تعمیل کر سکتی ہے۔

لہذا یہ اندیشہ تقریباً یقینی نظر آتا ہے کہ جب وہ آئندہ معرکہ دجال اکبر کے طوفان میں گھر جائے گی تو اس کے ملا کی اکثریت حیص بیص میں مبتلا ہو کر بالآخر حق کا انکار اور اس کی تکذیب اور دجال اکبر کی اطاعت و تابعداری کرنے لگے گی۔

(۳) مذکورہ نو عوامل کے امت میں مؤثر ہوتے ہوئے حضرت مھدی کی آمد کے موقع پر اس کا پورا پورا اندیشہ ہے کہ وہ درج ذیل مخمصوں میں لازماً گرفتار ہو جائے گی:

(۱) حضرت مھدی مدرسہ کے فارغ عالم ہوں گے یا جدید تعلیم یافتہ،

(۲) حضرت مھدی سنی ہوں گے یا شیعی،

اگر سنی ہوں گے تو:

(۱) مقلد ہوں گے یا غیر مقلد یا ظاہری،

(۲) معتزلی ہوں گے یا صفاتی،

(۳) ماتریدی ہوں گے یا اشعری،

(۳) مقلد ہوں گے تو حنفی ہوں گے یا مالکی، شافعی یا حنبلی،

(۴) اگر حنفی ہوں گے تو دیوبندی ہوں گے یا بریلوی،

(۵) اگر سنی ہوں گے تو چشتی ہوں گے یا قادری یا نقشبندی، یا شطاری یا عیدروسی،

(۶) اگر شیعی ہوں گے تو زیدی ہوں گے یا نزاری یا سلیمانی یا داؤدی یا اثنا عشری،

(۷) اگر اثنا عشری ہوں گے تو اصولی ہوں گے یا اخباری،

(۴) حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ذی فہم کچھ بھی تاویل کرلیں لیکن جب صورت واقعہ حقیقی طور پر در پیش ہوگی تو مذکورہ نو عوامل کے معاشرے میں مؤثر رہنے کی صورت میں لازماً بالواسطہ یا بلاواسطہ، خفیہ یا علانیہ یہ مخمصہ پیدا ہو کر رہے گا۔

(۵) لہٰذا امت مسلمہ کو اسی وقت چند باتوں کا فیصلہ کرلینا چاہئے:

(۱) ایسے کون کون سے اقدامات کئے جائیں کہ یہ مخمصہ پیدا نہ ہو،

(۲) ایسے کون کون سے طریقے اور موازین دریافت کئے جائیں کہ مخمصوں کے پیدا ہونے کی صورت میں بھی وہ درست فیصلے کرسکے اور غلط فیصلے کرکے ہلاکت میں نہ پڑے۔

(۶) اصلی اور حقیقی مخمصہ کی گھڑی کی آمد سے پہلے اصولی، نظری اور علمی، عملی اور تجرباتی طور پر اس مخمصہ سے نکلنے کی صورت نکالے بغیر اس بات کی ضمانت نہیں دی جاسکتی ہے کہ عین موقع پر درست فیصلہ کرلیا جاسکتا ہے یا غلط فیصلے سے بچا جاسکتا ہے۔

(۷) حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حضرت مہدیؑ مومن خالص، مخلِص اور مخلَص ہوں گے۔ وہ اصل دین اللہ پر عمل پیرا ہوں گے۔ لہٰذا اس مخمصہ سے نکلنے کی ایک عملی صورت یہ نظر آتی ہے کہ بجائے اپنے اپنے مذہب، مسلک اور مشرب کو اصل دین اللہ قرار دینے کی خوش فہمی میں مبتلا رہنے کے عامۃ المسلمین اصل دین اللہ کی تعیین و تشخیص کریں۔

(۸) یہ عاجز پورے وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ مذکورہ نو عوامل سے پروردہ اس مسلم معاشرے میں رائج تناظر علمی اور شناخت کے مطابق حضرت مہدی سنی ہوں گے نہ شیعی، مقلد ہوں گے نہ غیر مقلد، حنفی ہوں گے نہ مالکی، شافعی یا حنبلی، معتزلی ہوں گے نہ صفاتی، ماتریدی ہوں گے نہ اشعری، دیوبندی ہوں

گے نہ بریلوی، چشتی ہوں گے نہ قادری، نقشبندی، شطاری وعیدروسی، زیدی ہوں گے نہ نزاری، سلیمانی نہ داؤدی نہ اثنا عشری، اصولی ہوں گے نہ اخباری۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(۹) لہٰذا اس مخمصہ سے نکلنے کی ایک عملی صورت یہ ہے کہ بجائے اپنے اپنے واماندگیٔ شوق کی خوش فہمی میں مبتلا رہنے کے عامۃ المسلمین اس تناظر علمی اور شناخت کی شناخت کریں جن پر حضرت مھدی ہوں گے۔

(۱۰) روئے ارض پر دین اللہ، رسالت، اور بعثت کی تاریخ بتاتی ہے کہ مذہب ہمیشہ دین کی تعیین اور شناخت کرنے میں ناکام ونامراد ہوا ہے۔ قرآن وسنت اس پر شاہد ہیں کہ مذاہب، مسالک، مکاتب اور مشارب کی فضا میں پروردہ علماء اور مشائخ پوری انسانی تاریخ میں کسی دینی شخص کی شناخت اور اس کا اتباع کرنے میں ہمیشہ ناکام ثابت ہوئے۔ اس کی صرف ایک وجہ نظر آتی ہے:

''اس دینی شخص کا مذاہب، مسالک، مکاتب اور مشارب کی فضا میں پروردہ علماء ومشائخ کے ذہنی چوکھٹے میں پورا نہ اترنا۔''

چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

وقالوا مال هذا الرسول يأكل الطعام و يمشي في الأسواق لولا أنزل إليه ملك فيكون معه نذيرا (الفرقان ۷)

ترجمہ: اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا اور پھرتا ہے بازاروں میں۔ کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو۔

فی الواقع یہ بیان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض اور طعن نہیں تھا بلکہ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مذہبی علماء اور مشائخ کے مذاہب، مسالک، مکاتب اور مشارب کی فضا میں پروردہ ذہن میں موجود خاکہ پر بحیثیت نبی اور رسول پورے نہیں اتر رہے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے اس خاکے کے عین مطابق نظر نہیں آ رہے تھے۔

یہ مخمصہ انسانی تاریخ کا اپنے انجام کے اعتبار سے بدترین مخمصہ ہے۔

غالب اندیشہ یہی ہے کہ علماء اور مشائخ کی اکثریت حضرت مھدی کے اتباع میں ناکام ہوجائے۔

★ ★ ★

یادداشت

اغلاط نامہ

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱۲	۲۳	سیرت النبی (جلد۔اول) اور	سیرت النبی (جلد اول) پر
۲	۴۲	۱۶	بازستانان	باج ستانان
۳	۴۲	۱۸	عجیب	عجب
۴	۵۰	۱۶	مُدَرَّسَہ	مُدَرِّسَہ
۵	۵۶	۴	(683)	(693)
۶	۵۷	۱۵	عبداللہ بن زبیر (683)	عبداللہ بن زبیر (693)
۷	۵۷	۱۵	ستائیس سالوں	سینتیس سالوں
۸	۱۱۰	۲۳	موتیں واقع ہوتی ہے؟	موتیں واقع ہوتی ہیں؟
۹	۱۱۳	۲۱	ان کی نعش کو	ان کو
۱۰	۱۲۰	۱۰	عبداللہ بن زبیر کو 683	عبداللہ بن زبیر کو 693
۱۱	۱۲۰	۲۳	ان کی موت (683) ہوگئی	ان کی موت (693) ہوگئی
۱۲	۱۸۵	۳	کامراں ہوسکے ہیں	کامراں ہوسکیں گے

http://www.asraralam.net/

امت کا بحران تفکیر، تدبیر اور تخیل

اسرار عالم

DAR-AL-ILM, New Delhi

http://www.asraralam.net/